دارالافتاء اہلسنت (دعوتِ اسلامی)
DARUL IFTA AHLESUNNAT

فتاوی نوریہ (جلد اول)

کے

منہج واسلوب کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار

مولانا محمد احمد رضا مدنی

پیشکش:

مجلسِ افتاء
(دعوتِ اسلامی)

زیر نگرانی

حضرت مولانا محمد سجاد مدنی عطاری مدظلہ العالی

دار الافتاء اہلسنت
DARUL IFTA AHLESUNNAT

فتاوی نوریہ (جلد اول)

کے

منہج و اسلوب کا تجزیاتی مطالعہ

مقالہ نگار

مولانا محمد احمد رضا مدنی

زیر نگرانی

حضرت مولانا محمد سجاد مدنی عطاری مدظلہ العالی

پیشکش:

مجلسِ افتاء

(دعوتِ اسلامی)

تسمیہ و تحمید

اس ذاتِ بابرکات کے نام سے شروع کرتا ہوں جس نے انسان کو وہ سکھایا، جو وہ نہیں جانتا تھا۔

اور

اس رب تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں جس نے انسان کو علم کے ذریعے زینت بخشی اور جس کا فرمان ہے:

﴿يُؤْتِي الْحِكْمَةَ مَنْ يَشَاءُ ۚ وَمَنْ يُؤْتَ الْحِكْمَةَ فَقَدْ أُوتِيَ خَيْرًا كَثِيرًا﴾

یعنی وہ جسے چاہتا ہے حکمت عطا کرتا ہے اور جسے حکمت دی جائے تو اسے بہت سی خیر دے دی گئی۔

(پارہ 3، سورۃ البقرۃ، آیت 269)

انتِساب

اس فقیہِ اعظم کے نام

جن کی علمیت کے ڈنکے آج بھی اسلامی ایوانوں میں بج رہے ہیں یعنی

فقیہِ اعظم، مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ علیہ

جن کی علمیت کا کھوج لگانے والے آج بھی محوِ حیرت ہیں۔

اور میرے استاذ محترم کے نام!

شیخ الحدیث، مفتیِ اہلسنت، مفتی **محمد قاسم عطاری** حفظہ اللہ تعالیٰ

فہرست

نمبر شمار	موضوع	صفحہ
1	تسمیہ وتحمید	1
2	انتساب	2
3	فہرست	3
4	مقدمہ	7
5	موضوع کا تعارف اور اس کی ضرورت واہمیت	7
6	فتویٰ کا معنی ومفہوم	9
7	موضوعِ تحقیق	11
8	مقصدِ تحقیق۔ خاکہ	11
9	الباب الاول	13
10	الفصل الاول (شخصی تعارف)	14
11	نام۔ ولادت۔ قوم۔ تعلیم	15
12	درس وتدریس	16
13	سیاسی سرگرمیاں	17
14	سفرحج	18
15	بیعت طریقت۔ تصانیف	18
16	اولاد	19

17	تلامذہ	19
18	الفصل الثانی (علمی تعارف)	21
19	جدید مسائل پر تحقیقات	22
20	علمی طرزِ عمل	24
21	فتویٰ نویسی کا انداز۔ کثرتِ مراجعت۔ فتویٰ میں احتیاط	25
22	مرجعِ علماء	26
23	علمی خزانہ	26
24	آپ کی علمیت پر علمائے کرام کے تاثرات	27
25	الفصل الثالث (فتاویٰ نوریہ، جلد اول کا مختصر تعارف)	29
26	فتاویٰ نوریہ جلد اول ایک نظر میں	30
27	سوالات کی تعداد۔ جلد اول کے اہم عنوان و مباحث	33
28	جلد اول کے چند اہم اور نامور مستفتِیان	37
29	جلد اول میں شامل مستقل رسائل	39
30	مجموعی مسائل کی تعداد	39
31	الباب الثانی	40
32	الفصل الاول (جواب و دلائل کا منہج و اسلوب)	41
33	جواب میں قرآنی آیات، احادیث اور فقہ حنفی کے جزئیات کا التزام اور ان کی ترتیب	42
34	مختلف مقدمات قائم کر کے ان مقدمات کے مطابق بالترتیب جواب دینا	44
35	متعدد فصول کے ذریعے جواب	45

36	قیودات کا خصوصی لحاظ اور اُن قیودات کی وضاحت	46
37	سائل کی قائم کردہ فاسد علت پر کلام اور دوسری نظیر سے وہی حکم بیان کرنا	48
38	عقلی توجیہ کے ساتھ جواب	49
39	سوال کی تمام ممکنہ صورتیں بیان کر کے اس کی ہر شق کا جواب	50
40	مسئلہ کی نظائر کے ذریعے جواب	51
41	الزامی جواب دینا	52
42	مختلف اقوال میں تطبیق دینا اور تعارضِ کلماتِ فقہاء کو ختم کرنا	53
43	مختلف اقوال میں ترجیح اور وجوہِ ترجیح کا بیان	54
44	متعدد اقوال کو بیان کرنے پر الفاظِ فتوی سے مفتیٰ بہ کی نشاندہی	55
45	کلماتِ فقہاء میں فقہاء کی مراد اور محل کی وضاحت	56
46	کلماتِ فقہاء پر ممکنہ سوال کی نشاندہی اور اس کی وضاحت	58
47	سائل کی خاص انکاری صورت کو حدیث پاک کے ذریعے ثابت کرنا	60
48	اپنی خاص صورت کو دور نبوی سے ثابت کرنا	61
49	سائل کی نشان زدہ غلطی کے علاوہ غلطی کی نشاندہی	62
50	عدمِ جواز کی صورت میں ممکنہ شرعی حل کا بیان	62
51	فنِ افتاء کے حوالے سے کلام	64
52	علاماتِ افتاء کی نشاندہی اور الفاظِ فتوی کے مراتب کو بیان کرنا	65
53	قواعد وضوابطِ فقہیہ کا بیان	66
54	قواعدِ فقہیہ کی توضیح	68

55	مختلف فقہاء و مصنفین کتبِ فقہ پر کلام	69
56	فقہی کتب کی حیثیت پر کلام	70
57	اردو کتبِ فقہ کے مسائل کی تشریح	71
58	فنِ حدیث، حکم حدیث اور کتبِ احادیث پر کلام	72
59	مسائلِ شرعیہ کی حیثیت کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ	74
60	جواب لکھنے کے لیے کثیر کتب کی طرف مراجعت	74
61	دشمنانِ دین کا تعاقب اور مذہبی افراد کے تشخص کو بحال رکھنے کی سعی	76
62	سائل کا سوال سمجھ نہ آئے تو جواب نہ دینا	78
63	زیادہ سوالات پر مختصر جوابات اور غیر ضروری سوالات پر مواخذہ	78
64	فکرِ آخرت کی ترغیب دلانا	79
65	عشقِ رسول کا اظہار کرنا	80
66	الفصل الثانی (اختلاف و رد کا منہج و اسلوب)	82
67	فریقِ مخالف کے دلائل کا دعوی کے مطابق نہ ہونا ثابت کرنا	83
68	فریقِ مخالف کی دلیل کو اپنی دلیل ثابت کرنا	84
69	فریقِ مخالف کے دلائل کا محل بیان کرنا	86
70	فریقِ مخالف کے دلائل کا سُقم بیان کرنا	87
71	قولِ فقیہ کو رد کرنا	87
72	عالم کے فتوے کی اصلاح کرنا	88
73	اختتامیہ	90

مقدمہ

موضوع کا تعارف اور اس کی ضرورت واہمیت:

اللہ تعالیٰ کا پسندیدہ دین اسلام ہے، جسے تا قیامت باقی رہنا ہے، اس کے سرچشمہ ہدایت اور دستور یعنی قرآن مجید کی حفاظت کا وعدہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَاِنَّا لَهٗ لَحٰفِظُوْنَ﴾ ترجمہ: ہم ہی نے قرآن کو نازل کیا ہے اور ہم ہی اس کے نگہبان ہیں۔[1]

اللہ تعالیٰ نے پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے ہر ہر گوشے کو بہترین نمونہ قرار دیا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ دراصل قرآن کریم کی تشریح وتوضیح ہے، جو آج بھی کتبِ احادیث میں موجود ہے۔ دینِ اسلام جو در حقیقت دستور حیات اور طرزِ زندگی کے لیے کامل رہنما ہے، اس کا منبع و ماخذ کتاب وسنت ہے۔ قرآن کریم، جو منبعِ رشد وہدایت اور اسلامی فقہ کا ماخذِ اول ہے، اس نے انسانی زندگی کے لیے بنیادی زریں اصولوں کی نشاندہی کر دی ہے اور اس کے اجمالی احکام کی تشریح سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے میسر آجاتی ہے، جو فقہ اسلامی کے اولین ماخذ میں سے ہے۔

"فقہ" اسلامی تعلیمات کے رہنما اصول پر مشتمل، شریعت کے عمومی مزاج کا ترجمان اور اسلامی زندگی کے لیے چراغِ ہدایت بھی ہے۔ اس لیے علوم اسلامیہ میں فقہ کی جو اہمیت وضرورت ہے، وہ آفتاب کی طرح روشن ہے۔ اس کی ضرورت ہر دور میں رہی ہے اور تا قیامت قائم رہے گی۔ علمائے کرام قرآن وحدیث میں غوطہ زنی کر کے فقہی اصول کے ذریعے امت کے پیش آمدہ مسائل حل کرتے رہے اور رہیں گے۔

لغت میں لفظ فقہ کو کسی چیز کے جاننے اور سمجھنے کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے اور اسی معنیٰ میں تفقہ فی

---

(1) (پارہ 14، سورۃ الحجر، آیت نمبر 09)

الدین (دین کی سمجھ) کا لفظ قرآن وحدیث میں وارد ہوا، چنانچہ فرمایا: من یرد اللہ بہ خیرا یفقہ فی الدین۔[2] اللہ جس کے ساتھ بھلائی کا ارادہ فرماتا ہے، اسے دین کی فقاہت دے دیتا ہے۔ عہد صحابہ وتابعین میں فقہ کا لفظ ہر قسم کے دینی احکام کی فہم پر بولا جاتا تھا، جس میں ایمان وعقائد، عبادات واخلاق، معاملات اور حدود وفرائض سب شامل تھے۔ یہی وجہ ہے کہ امام ابو حنیفہ علیہ الرحمۃ سے منقول فقہ کی تعریف: "ان الفقہ ھو معرفۃ النفس مالھا وماعلیھا" جس سے انسان اپنے نفع ونقصان اور حقوق وفرائض کو جان لے وہ فقہ ہے" اپنے اندر مذکورہ تمام چیزوں کو سموئے ہوئے ہے، مگر بعد میں جب علیحدہ طور پر ہر فن کی تدوین وتقسیم ہوئی تو "فقہ" عبادات ومعاملات اور معاشرت کے ظاہری احکام کے لیے خاص ہو گیا۔

یہ بات تو پوری طرح واضح ہے کہ احکام شرعیہ کے استنباط کا اصل منبع کتاب اللہ، اس کے بعد سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، پھر اجماع وقیاس ہیں، جس کی حقیقی تصویر اس واقعہ میں دیکھی جاسکتی ہے، جب حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کو یمن کا قاضی بنا کر رخصت کرتے وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تھا کہ: "کیف تقضی اذا عرض لک قضاء" یعنی اگر کوئی مسئلہ در پیش ہو، تو اپنے فیصلے کی بنیاد کس کو قرار دوگے؟ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: کتاب اللہ کو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا: اگر اس میں کسی کا حل تم نہ پا سکو تو۔۔؟ عرض کیا: احادیث سے فیصلہ کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر دریافت فرمایا کہ اگر وہاں سے بھی نہ پا سکو تو۔۔؟ اخیر میں کہا کہ اپنی رائے سے فیصلہ کروں گا اور حق کی جستجو میں کوئی کوتاہی نہیں کروں گا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے فہم دین اور مزاجِ شریعت سے ہم آہنگی اور آگہی پر خوشی کا اظہار کیا اور اللہ کا شکر ادا کرتے ہوئے فرمایا: تمام تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں، جس نے اللہ کے رسول کے قاصد کو اس بات کی توفیق دی، جس سے اس کا رسول راضی ہے۔[3]

[2] (الصحیح البخاری، کتاب العلم، باب من یرد اللہ بہ خیرا، جلد 1، صفحہ 25، مطبوعہ بیروت)

[3] (سنن ابو داؤد، کتاب الاقضیہ، باب اجتھاد الرای فی القضاء، جلد 3، صفحہ 303، مطبوعہ بیروت)

اسی طرح کی صورت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے وصال کے بعد مسئلہ خلافت میں پیش آئی جو صحابہ کرام کے اجماع سے حل ہوئی۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ عمارتِ فقہ کی بنیادِ اول کتاب اللہ، پھر حدیث ہے اور اجماع بھی حقیقت میں انہی سے موید اور قیاس بھی قرآن وحدیث ہی کے حکم کا مُظہِر ہوتا ہے۔ فقہ و فتاویٰ کی بنیاد تو عہد رسالت ہی میں پڑ چکی تھی کہ خود قرآن مجید نے صحابہ کے استفتاء اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے وحی الٰہی سے افتاء کو بیان فرمایا ہے۔

صحابہ کرام کو جب کوئی مسئلہ درپیش ہوتا، تو وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف رجوع کرتے اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد عام صحابہ کو جب کسی مسئلے کا حکم معلوم کرنا ہوتا، تو وہ فقہاء صحابہ سے دریافت کرتے۔ اسی عمل کو مرتب و مدون انداز میں ائمہ اربعہ (امام اعظم، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد بن حنبل علیہم الرحمۃ) نے بامِ عروج تک پہنچایا اور اب تک یہ سلسلہ چلتا آرہا ہے۔ احناف نے فقہ پر جو کام کیا، وہ روزِ روشن کی طرح عیاں ہے۔ امام اعظم کے بعد ان کے مذہب کو نقل کیا گیا، جن کو متون سے تعبیر کیا جاتا ہے، اس کے بعد ان کی شروحات ہیں، پھر فتاوی ہیں۔

فتویٰ کا معنی و مفہوم:

مسئلہ معلوم کرنے کے لیے سوال اور استفتا کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں اور پوچھنے کے بعد مسئلہ بتانے کے لیے جواب اور افتاء کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرعی مسئلہ دریافت کرنا "استفتاء" ہے اور دریافت کرنے پر جواب دینا "افتاء" یعنی فتویٰ دینا ہے، سوال پوچھنے والے کو "سائل" اور "مستفتی" کہا جاتا ہے، جبکہ جواب دینے والے کو "مفتی" اور "مجیب" کہا جاتا ہے۔

قرآنِ پاک میں لفظ فتویٰ اپنے مشتقات کے اعتبار سے مختلف مقامات پر اکیس بار استعمال ہوا ہے۔ ان میں سے دس مقامات پر تو یہ لفظ اپنے لغوی معنیٰ میں استعمال ہوا ہے، جبکہ گیارہ مقامات پر یہ لفظ تحقیق و تدقیق کے معنی میں آیا ہے۔

احادیث مبارکہ میں بھی یہ لفظ بکثرت استعمال ہوا ہے، ان احادیث مبارکہ میں یہ لفظ اپنے اصطلاحی معنوں میں مستعمل ہے۔ فتوی دینا ایک اہم ذمہ داری ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ مفتی، شارع کے نائب کی حیثیت سے دینی معاملات میں لوگوں کی رہنمائی کرتا ہے۔ اس کی اسی اہمیت کے پیش نظر فتوی نویسی کے اصول وقواعد کو باقاعدہ فن کی شکل دی گئی اور اس فن کو "رسم المفتی" سے تعبیر کیا گیا۔

فقہ حنفی میں سب سے پہلے متون، پھر شروحات، پھر فتاوی کا درجہ ہے، اور اسی اعتبار سے اس کی تدوین ہوئی، عربی فتاوی کے بعد اردو فتاوی جات کا ایک سلسلہ شروع ہوا، جن میں فتاوی رضویہ، فتاوی امجدیہ اور دیگر کئی فتاوی جات شامل ہیں۔ اِنہی اردو فتاوی کے سلسلے کی ایک کڑی فتاوی نوریہ ہے، جو عصر حاضر کا عظیم فقہی شاہکار اور فقہ حنفی کا ممتاز انسائیکلوپیڈیا ہے، جس کے منہج واسلوب کے جائزے پر یہ مقالہ لکھا جارہا ہے۔

فتوی عموماً ایک سائل کو دیا جاتا ہے، لیکن عوام وخواص سبھی اس سے مستفید ہوتے ہیں، لہذا فتوی ایسا ہو، جو عمدگی کے ہر معیار پر پورا اترتا ہو، جس کے بہت سے تقاضے، متعدد اسالیب ہیں، مختلف مفتیان کرام مختلف اسلوب اپناتے ہیں، لیکن بعض اسالیب عمومی اور بعض تحقیقی معیار کے ہوتے ہیں اور ایسے فتاوی جو تحقیقی معیار کے ہوتے ہیں، اگر فتوی نویسی کی مشق کرنے والے علماء ان کے اسلوب کو مدنظر رکھ کر فتوی لکھیں، تو ان کے فتاوی میں بھی وہی جامعیت وعمدگی پیدا ہوسکتی ہے۔

اسی بات کو مدنظر رکھتے ہوئے فتاوی نوریہ کی پہلی جلد پر یہ مقالہ لکھا گیا ہے، جس میں مفتی نور اللہ بصیرپوری علیہ الرحمۃ کے فتاوی کا اسلوب جاننے کی سعی کی جائے گی، تاکہ ان چیزوں کو سامنے رکھ کر فتوی نویسی کی مشق کی جاسکے، اس مقالے میں فتاوی نوریہ کی پہلی جلد میں موجود فتاویٰ کو تجزیاتی نگاہ سے دیکھا جائے گا کہ مفتی صاحب فتوی لکھتے ہوئے کن چیزوں کو ملحوظ رکھ کر جواب دیتے ہیں اور کس انداز میں دلائل سے استدلال کرتے ہیں؟ اس مقالے میں فتاوی نوریہ کی پہلی جلد کے مطالعہ سے حاصل کی گئی ان چیزوں کو بیان کیا جائے گا، جن سے مفتی صاحب کے اسلوب، طرزِ استدلال، منہج اور ذکر دلائل کے انداز اور اختلاف وتردید کا طریقہ سمجھنا آسان ہوجائے گا۔

موضوعِ تحقیق:

مقالے کا موضوعِ تحقیق یہ ہے کہ علامہ نوراللہ بصیرپوری علیہ الرحمۃ نے فتاوی نوریہ جلد اول میں کیا اسلوب اختیار کیاہے اور منہجِ تحقیق کیا تھا؟ فتاوی کے جواب، دلائل ذکر کرنے اور ان کی ترتیب کا طریقہ کیا ہے؟ کس طرح آپ اشکال اور ابہام کو دور کرنے کے ساتھ ساتھ مفتی بہ اقوال کی طرف رہنمائی کرتے ہیں؟ کن مسائل کی علل بیان کیں اور کس طرح بیان کیں؟ اس کا جائزہ لیا جائے گا۔

مقصدِ تحقیق:

صاحب فتاوی نوریہ کے طرزِ تحقیق واستدلال اور اندازِ فتوی کو سمجھا سکے۔

خاکہ:

الباب الاول

الفصل الاول: مفتی نور اللہ بصیرپوری علیہ الرحمۃ کا شخصی تعارف

الفصل الثانی: مفتی نور اللہ بصیرپوری علیہ الرحمۃ کا علمی تعارف

الفصل الثالث: فتاوی نوریہ، جلد اول کا مختصر تعارف

الباب الثانی

الفصل الاول: جواب ودلائل کا منہج واسلوب

الفصل الثانی: اختلاف ورد کا منہج واسلوب

اس مقالے کے دو ابواب ہیں، پہلا باب تعارف پر مشتمل ہے، جس کی تین فصلیں ہیں، پہلی فصل میں مفتی نور اللہ بصیرپوری علیہ الرحمۃ کا شخصی تعارف پیش کیا جائے گا، اس کے بعد دوسری فصل میں آپ کا علمی تعارف پیش کیا جائے گا، اس کے بعد تیسری فصل میں فتاوی نوریہ، جلد اول کا مختصر تعارف ہو گا، جس سے پہلی جلد کا ایک اجمالی خاکہ ذہن میں آجائے گا۔

اس کے بعد دوسرے باب میں دو فصلیں ہیں۔ پہلی فصل میں فتاوی نوریہ کے فتاوی کے جواب و دلائل کا منہج و اسلوب جاننے کی کوشش کی جائے گی کہ مفتی صاحب کے جواب کا اسلوب، طرزِ استدلال، منہج کو سمجھا جائے گا اور فتاوی نوریہ جلد اول میں اختیار کردہ طرزِ استدلال، رفعِ اشکال، فن افتاء اور علم حدیث کا جائزہ لیا جائے گا۔

اور اس کے بعد کی فصل میں فتاوی نوریہ کے فتاوی میں اختلاف و رد کے منہج و اسلوب کا جائزہ لیا جائے گا کہ مفتی صاحب کس انداز میں کسی سے اختلاف کرتے اور اس کے دلائل کا رد کرتے ہیں، اور اس موقع پر کن کن چیزوں کا لحاظ رکھتے ہیں۔

الباب الاول

الفصل الاول: مفتی نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمۃ کا شخصی تعارف

الفصل الثانی: مفتی نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمۃ کا علمی تعارف

الفصل الثالث: فتاوی نوریہ، جلد اول کا مختصر تعارف

الفصل الاول

(شخصی تعارف)

فقیہ اعظم، مولانا مفتی نور اللہ بصیر پوری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

نام:

فقیہِ اعظم حضرت مولانا الحاج ابو الخیر محمد نور اللہ نعیمی بن حضرت مولانا الحاج ابو النور صدیق چشتی علیہ الرحمۃ بن حضرت مولانا احمد دین علیہ الرحمۃ۔

ولادت:

دیپالپور (ساہیوال) کے ایک مشہور قصبے سوجیکے میں 16 رجب المرجب 1332ھ / 22جون 1914ء کو پیدا ہوئے۔

قوم:

آپ کا تعلق ارائیں خاندان کے ایک علمی وروحانی گھرانے سے ہے۔

تعلیم:

آپ نے قرآن پاک، فارسی، صرف اور نحو کی تعلیم اپنے والد ماجد اور جد امجد سے حاصل کی۔ پھر علوم متداولہ کی تحصیل کے لیے 1345ھ میں مدرسہ عربیہ مفتاح العلوم گھمنڈ پور میں داخل ہوئے۔ جہاں چھ سال کا عرصہ محقق دوراں حضرت مولانا الحاج فتح محمد صاحب محدث بہاولنگری علیہ الرحمۃ سے اکتسابِ فیض کر کے متعدد علوم وفنون میں مہارت حاصل کی۔

1351ھ میں مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور میں داخل ہوئے، جہاں حضرت مولانا الحاج سید ابو محمد، محمد دیدار علی شاہ محدثِ اعظم الوری رحمہ اللہ اور مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد قادری رحمہ اللہ سے علمِ حدیث کی تعلیم پائی۔ 23نومبر 1933ء / 16شعبان المعظم 1352ھ کو آپ نے مرکزی دار العلوم حزب الاحناف لاہور سے سندِ فراغت اور دستارِ فضیلت حاصل کی اور سید دیدار علی شاہ صاحب نے آپ کو خصوصی سندات بھی عطا فرمائیں اور "ابو الخیر" کی کنیت سے نوازا، جبکہ مفتی اعظم پاکستان، حضرت مولانا ابو البرکات سید احمد

قادری علیہ الرحمۃ نے بعد میں آپ کو فقیہ اعظم کے لقب سے نوازا۔

درس و تدریس:

آپ نے اپنی عملی زندگی کا آغاز درس و تدریس سے فرمایا۔ 1352ھ سے 1356ھ تک موضع واسو سالم میں تدریسی خدمات انجام دیں، البتہ 1354ھ میں تقریباً ایک سال کے لیے مولانا محمد اکبر چشتی بصیر پوری کے مدرسہ میں بصیر پور میں مسندِ تدریس پر فائز رہے، چونکہ آپ کی خداداد صلاحیتیں اعلیٰ تعمیری کام کی متقاضی تھیں، اس لیے آپ نے دیپالپور جیسے غیر معروف علاقے میں مدرسہ فریدیہ کے نام سے 1357ھ / 1938ء میں ایک دار العلوم کی بنیاد رکھی، جہاں علمی ذوق رکھنے والے افراد آمدورفت کی سہولتوں کے فقدان کی پرواہ نہ کرتے ہوئے بھی جوق در جوق آنا شروع ہوئے۔ چنانچہ آپ کی قابلیت اور شہرت کی بناء پر روز بروز طلباء کی تعداد بڑھتی گئی۔ 1363ھ / 1944ء میں آپ نے اسی مقام پر بخاری شریف سے دورہ حدیث کا آغاز فرمایا۔ چونکہ طلباء کی تعداد دن بدن بڑھتی جا رہی تھی، اس لیے آپ نے مدرسہ کو عظیم الشان دار العلوم کی شکل میں منتقل کرنے کا ارادہ فرماتے ہوئے ساہیوال کے ایک مشہور قصبہ بصیر پور کا انتخاب کیا۔

1364ھ / 1945ء میں دار العلوم فریدیہ، فرید پور سے بصیر پور منتقل ہو گیا اور یہاں یہ دار العلوم "دار العلوم حنفیہ فریدیہ" کے نام سے مشہور ہوا۔ دار العلوم کی تعمیر و تاسیس سے عروج و ارتقاء کے مرحلے طے کرنے میں آپ کو بڑے صبر آزما امتحان سے گزرنا پڑا، مگر آپ نے صبر و استقامت سے ہر آزمائش کا مقابلہ کیا اور دار العلوم کو نازک ترین لمحات میں ترقی کی راہ پر ہی چلاتے ہوئے نظر آئے۔ ابتدا میں چار کچے کمرے بنائے گئے اور نماز کے لیے ایک قطعہ زمین پر چھپر ڈال کر مسجد بنائی گئی۔ بعد ازاں مختلف مراحل طے کرتا ہوا دار العلوم اس مقام پر پہنچ چکا ہے کہ آج پاکستان کے عظیم الشان مرکز کی حیثیت سے اپنا نام پیدا کر چکا ہے۔

پچاس سے زائد پختہ کمرے، متعدد برآمدے اور درس گاہیں، دوسری منزل پر چند کمروں کے علاوہ وسیع و عریض ہال کی صورت میں دار الحدیث آپ کی علمی کاوشوں کا مظہر ہے اور اب ایک خوبصورت جامع مسجد جس کی

تعمیر کا کام 1368ھ / 1949ء سے 1377ھ / 1958ء تک مسلسل جاری رہا، اپنی دل آویز خوبصورتی میں ایک منفرد شان رکھتی ہے۔

سیاسی سرگرمیاں:

حضرت فقیہ اعظم نے باوجود تدریسی انہماک کے سیاسی طور پر اہم خدمات انجام دیں، تحریکِ پاکستان میں اہلسنت و جماعت کے تمام مشائخ و اکابر علماء کے ہمراہ مسلم لیگ کی بھرپور حمایت کی۔ اپنے پیر و مرشد حضرت صدر الافاضل مولانا نعیم الدین مراد آبادی علیہ الرحمۃ کے مشن کو کامیابی سے ہمکنار کرنے کی خاطر نمایاں کردار ادا کیا۔ یہاں تک کہ بزرگانِ دین اور علمائے اہلسنت کی مساعی جمیلہ سے دُنیا کے نقشے پر ایک نظریاتی اسلامی ملک کا قیام عمل میں آگیا۔ جہادِ کشمیر میں غازی کشمیر حضرت مولانا علامہ ابو الحسنات قادری علیہ الرحمۃ کا ساتھ دیا۔

تحریکِ ختم نبوت 1953ء اور 1974ء میں خصوصیت سے حصہ لیا اور قید و بند کی صعوبتوں کو خندہ پیشانی سے قبول کرتے ہوئے ساہیوال جیل میں اپنے والد ماجد حضرت مولانا ابو النور محمد صدیق اور اپنے اکابر تلامذہ حضرت مولانا ابو الضیاء محمد باقر نوری اور حضرت مولانا ابو النصر منظور احمد ہاشمی وغیرہما کے ساتھ قید ہوئے۔ آپ کو ایک سال قید بامشقت کی سزا سنائی گئی، مگر تین ماہ بعد رہا کر دیے گئے۔

1974ء میں جب سانحہ ربوہ کے باعث تحریکِ ختم نبوت کا آغاز ہوا، تو آپ نے تحفظ ناموسِ رسالت کا نعرہ بلند کرتے ہوئے تحریک میں ناقابلِ فراموش کردار کا مظاہرہ کیا۔ 7 مارچ 1977ء میں ہونے والے انتخابات میں جمعیت علما پاکستان کے نمائندہ کی حیثیت سے قومی اتحاد کے ٹکٹ پر آپ نے نظامِ مصطفی کے نفاذ اور مقامِ مصطفی کے تحفظ کی خاطر انتخابات میں حصہ لیا۔ اس کے بعد تحریکِ نظامِ مصطفی میں آپ نے بھرپور حصہ لیا۔ 23 مارچ 1977ء کو ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے آپ نے گرفتاری پیش کی۔ آپ کو رہا کرنے کی متعدد کوششیں ہوئیں، مگر آپ نے رہا ہونے سے انکار کر دیا، چنانچہ جب تک تحریک جاری رہی آپ سینٹرل جیل ساہیوال میں رہے اور جیل کے اندر بھی اپنے مشن کو جاری رکھتے ہوئے درس قرآن کریم کے علاوہ متعدد قیدی طلباء و علماء کو بخاری شریف بھی پڑھاتے رہے۔

سفرِ حج:

1960ء میں آپ نے پہلی بار حج وزیارت کی سعادتِ عظمٰی حاصل کی اور پھر بارگاہِ رسالت سے ایسا کوئی کرم ہوا کہ بار بار حج وزیارت کی نعمت سے سرفراز ہوتے رہے۔ آٹھ مرتبہ حج وزیارت اور دو مرتبہ عمرہ شریف اور مدینہ طیبہ حاضری کی سعادت حاصل کر چکے ہیں۔ اس طرح آپ دس مرتبہ حرمین شریفین (زادہما اللہ شرفا) حاضر ہو چکے ہیں۔

دورہ حدیث کے دوران آپ نے اکثر گنبد خضراء کے سائے میں احادیثِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پڑھانے کی آرزو کا اظہار کیا۔ چنانچہ اللہ تعالٰی نے آپ کی اس آرزو کو پورا فرمایا۔ دو تین مرتبہ آپ روضہ پاک کے سامنے درسِ قرآن دینے اور بخاری شریف پڑھانے کی نعمت حاصل کر چکے ہیں۔

بیعت طریقت:

آپ کو صدر الافاضل حضرت علامہ مولانا نعیم الدین مراد آبادی رحمہ اللہ سے بیعت کا شرف حاصل ہوا اور مرشد نے عین آپ کی خواہش کے مطابق درس وتدریس اور خدمتِ قرآن وحدیث کا وظیفہ دیا۔

آپ کی تصانیف:

درس وتدریس، وعظ وتبلیغ اور سیاسی مصروفیات کے باوجود آپ نے میدانِ تحریر میں معتدبہ حصہ لیا، چنانچہ آپ کی تصانیف مندرجہ ذیل ہیں:

1۔ فتاوٰی نوریہ

2۔ مکبّر الصوت

3۔ حدیث الحبیب

4۔ فئی الزوال (عربی)

5۔ نعمائے بخشش (نعتیہ دیوان)

6۔ نور القوانین (مجموعہ قواعد منظوم بزبان پنجابی)

7۔ حُرمتِ زاغ

8۔ مسئلہ سایہ

9۔ روزہ اور ٹیکہ

10۔ ابداء بشری بقبول الصلوۃ فی الضحوۃ الکبری

11۔ نورِ نعیمی (یہ تمام مطبوعہ ہیں)

غیر مطبوعہ میں ایک نعتیہ دیوان عربی، فارسی، پنجابی اور اُردو پر مشتمل ہے، اس کے علاوہ بخاری شریف اور مسلم شریف پر حواشی لکھے۔

اولاد:

فقیہِ اعظم حضرت مولانا محمد نور اللہ نعیمی کی چار صاحبزادیاں اور تین صاحبزادے ہیں۔ صاحبزادوں کے اسماء گرامی یہ ہیں۔

(1) حضرت مولانا الحاج ابو الفضل محمد نصر اللہ نوری۔

(2) مولانا الحاج ابو العطاء محمد ظہور اللہ نوری۔

(3) حضرت مولانا الحاج محمد محب اللہ۔

تلامذہ:

آپ کے تلامذہ کا حلقہ کافی وسیع ہے، تاہم چند مشہور تلامذہ یہ ہیں:

(1) مولانا محمد باقر نوری، مدرس جامعہ حنفیہ فریدیہ بصیر پور

(2) مولانا صاحبزادہ محمد نصر اللہ

(3) مولانا عبد العزیز، مہتمم دار العلوم غوثیہ، حویلی لکھاں، ساہیوال

(4)مولانا محمد شریف نوری علیہ الرحمۃ

(5)مولانا احمد علی قصوری، جمعیت علماء پاکستان

(6)مولانا ابو النصر منظور احمد شاہ، مہتمم جامعہ فریدیہ ساہیوال

(7)مولانا شبیر احمد ہاشمی، بورے والا

(8)مولانا علی محمد نوری، وہاڑی

(9)مولانا محمد منشا تابش قصوری، ناظم شعبۂ تصنیف و تالیف جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور

الفصل الثانی

(علمی تعارف)

مفتی نور اللہ بصیر پوری کا علمی تعارف

مفتی نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمۃ کی بلند پایہ، قابل قدر اور ہمہ جہت شخصیت کسی تعارف و تبصرے کی محتاج نہیں، آپ کی ذات بلا شبہ برہان الٰہی ہے، وہبی علوم وفنون کا ایک ایسا بحر زخار ہے، جس کی گہرائی، وسعت اور گیرائی کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا، حکمت و دانائی کا ایک بیش بہا خزانہ ہے، جس کی قیمت نہیں لگائی جاسکتی، علم و مشاہدہ، فقہ و تدبر کا ایسا عمیق سمندر ہے، جس میں غوطہ لگانے والا مزید کا نعرہ بلند کرتا دکھائی دیتا ہے اور ایسے نادر و نایاب موتی لے کر نکلتا ہے، جس سے آنکھیں خیرہ ہوتیں، قلوب اذہان کو روشنی ملتی، اہل اسلام کے ایمان وایقان کو جِلا ملتی اور عقائد و اعمال کی تزئین کاری ہوتی ہے۔ اللہ عزوجل نے آپ کو حرارت ایمانی، استقامت علی الدین، تصلب فی الدین اور عشق رسول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا ایسا وافر و بیش بہا خزانہ عطا فرمایا، بلا شبہ جو تائید ربانی اور خالص عطائے الٰہی کا مظہر اتم ہے۔

مفتی نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمۃ بلا شبہ اپنے دور میں پوری دنیا کے لیے مرجع فتاویٰ تھے۔ آپ کے دارالافتاء میں پاکستان، انڈیا، بنگلہ دیش اور دیگر کئی ممالک سے استفتاء آتے تھے اور ایک وقت میں کئی کئی فتاوی جمع ہو جاتے تھے اور سب کے جواب اسی شرح وبسط کے ساتھ عالمانہ شان سے دیے جاتے۔ آپ کے فتاوی میں امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی تقلید سے انحراف نہ ہوتا، بلکہ فقہِ حنفی پر شدت سے کاربند رہتے۔ آپ کے فتاویٰ سے عوام وخواص، علما و صلحا اور مفتیان دین متین و قاضیان عدالت سبھی مستفید ہوتے تھے، آپ کی اس شان فقاہت اور تبحر علمی سے متاثر ہو کر ہی علمائے اسلام نے آپ کی تحقیقات پر اعتماد فرمایا اور آپ کو فقیہ اعظم کا لقب عطا فرمایا۔

جدید مسائل پر تحقیقات:

آپ علیہ الرحمۃ نے اپنے دور کے جدید مسائل پر جو کام کیا ہے، وہ کسی سے ڈھکا چھپا نہیں ہے، مجتہدانہ انداز فکر کے حامل درویش صفت انسان فقیہ اعظم مفتی نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمۃ وہ عظیم انسان تھے، جنہوں نے آج سے 50 سال پہلے امام ابو حنیفہ کا جانشین ہونے کا حق ادا کرتے ہوئے، انتقال و عطیہ خون، اعضاء کی پیوند کاری،

ٹیسٹ ٹیوب بے بی، بچیوں کی تعلیم، تصویر کا بنانا، روزہ میں انجیکشن، لاؤڈ اسپیکر کا استعمال، انگریزی اور ہومیو پیتھی میڈیسن کا استعمال، ریل گاڑی اور ہوائی جہاز میں نماز، رویت ہلال کمیٹی کا چاند دیکھنا، بلغاریہ اور ڈنمارک میں نمازیں، قطب شمالی اور قطب جنوبی سے متعلق عبادات کے لیے شرعی حل بتایا۔ جب جدید مسائل پر بات کرنے سے علماء ضعف و عجز محسوس کرتے، تو فقیہ اعظم اپنی "اجتہادی علمیت" کے ساتھ پوری قوت و جرأت سے جواب دیتے۔

جدید مسائل پر کام ہمیشہ ہوتا رہے گا اور اس کے اہل افراد کی قابلیت کیا ہوگی ؟ اس بارے میں اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان علیہ رحمۃ الرحمٰن ارشاد فرماتے ہیں: "اے عزیز! اس زمانہ فتن میں لوگوں کو احکام شرع پر سخت جرأت ہے، خصوصاً ان مسائل میں جنہیں حوادثِ جدیدہ سے تعلق و نسبت ہے، جیسے تار برقی وغیرہ، سمجھتے ہیں کہ کتبِ ائمہِ دین میں ان کا حکم نہ ملے گا، جو مخالفت شرع کا ہم پر الزام چلے گا، مگر نہ جانا کہ علمائے دین شکر اللہ تعالی مساعیھم الجمیلۃ (اللہ تعالی ان کی مساعیِ جمیلہ کو قبول فرمائے۔) نے کوئی حرف ان عزیزوں کے اجتہاد کو اٹھا نہیں رکھا ہے، تصریحاً، تلویحاً، تفریعاً، تاصیلاً سب کچھ فرما دیا ہے، زیادہ علم اسے ہے، جسے زیادہ فہم ہے اور ان شاء اللہ العزیز زمانہ بندگانِ خدا سے خالی نہ ہو گا، جو مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل سے ماہر ہوں۔ بحر سے صدف، صدف سے گوہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر باذن اللہ تعالی قادر ہوں۔ لا خلا الکون عن افضالھم و کثر اللہ فی بلادنا من امثالھم ، آمین ، آمین برحمتک یا ارحم الراحمین ۔ زمانہ ان فضلاء سے خالی نہیں اور اللہ تعالی ایسے لوگوں کو ہمارے علاقوں میں زیادہ کرے آمین آمین برحمتک یا ارحم الراحمین۔"[4]

اس عبارت میں اعلیٰ حضرت علیہ الرحمۃ نے جدید مسائل پر کام کرنے والے افراد کے بارے میں جو ارشاد فرمایا ہے کہ "زمانہ ایسے افراد سے خالی نہ ہو گا جو مشکل کی تسہیل، معضل کی تحصیل، صعب کی تذلیل، مجمل کی تفصیل کرنے کے ماہر ہوں گے اور بحر سے صدف، صدف سے گوہر، بذر سے درخت، درخت سے ثمر نکالنے پر

---

[4] (فتاوی رضویہ، جلد 10، صفحہ 366 تا 367، رضا فاؤنڈیشن، لاہور)

باذن اللہ تعالیٰ قادر ہوں" یہ عبارت سامنے رکھ کر اگر مفتی نور اللہ بصیر پوری علیہ الرحمۃ کی شخصیت اور ان کے کاموں کو دیکھا جائے، تو ایسا لگتا ہے کہ شاید امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت فقیہ اعظم کے زمانے میں انہی پر صادق آتی تھی، کیونکہ آپ کے فتاوی میں ان تمام چیزوں کا لحاظ رکھا جاتا ہے اور جب کسی نئے مسئلے پر تحقیق کرتے ہیں، تو اس میں ان تمام چیزوں کی جھلک نظر آتی ہے، جس سے امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کی یہ عبارت آپ کی ذات پر منطبق کی جاسکے۔

ایک مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ جدید مسائل کا حل تلاش کرے اور اس میں مخلص ہو، تحقیقِ مسائل میں نفسانیت سے بالاتر ہو کر حق کی جستجو میں لگا رہے، صاحب فتاوی نوریہ اس پہلو میں نمایاں حیثیت رکھتے ہیں، چنانچہ خود ایک جگہ علماء کو دعوت فکر و عمل دیتے ہوئے اور انہیں جدید مسائل پر کلام کرنے کی ترغیب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "کیا تازہ حوادثات و نوازل کے متعلق احکام شرعی موجود نہیں کہ ہم بالکل صم بکم بن جائیں اور عملاً اغیار کے ان کافرانہ مزعومات کی تصدیق کریں کہ معاذ اللہ اسلام فرسودہ مذہب ہے، اس میں روزمرہ ضروریات زندگی کے جدید ترین ہزارہا تقاضوں کا کوئی حل نہیں، ولا حول ولا قوۃ الا باللہ العلی العظیم۔ یہ حقیقت بھی اظہر من الشمس ہے کہ کسی ناجائز اور غلط چیز کو اپنے مفاد و منشا سے جائز و مباح کہنا ہرگز ہرگز جائز نہیں ، مگر شرعی اجازت ہو، تو عدم جواز کی رٹ لگانا بھی جائز نہیں۔ غرض یہ کہ ضد اور نفس پرستی سے بچنا نہایت ضروری ہے، کیا ہی اچھا ہو کہ ہمارے ذمہ دار علمائے کرام اہل اللہ کے لیے نفسانیت سے بلند و بالا ہو کر سر جوڑ کر بیٹھیں اور ایسے جزئیات کے فیصلے کریں۔ مگر بظاہر یہ توقع تمنا کے حدود طے نہیں کر سکتی اور یہی انتشار آزاد خیالی کا باعث بن رہا ہے۔ فانا للہ وانا الیہ رجعون۔"[5]

علمی طرزِ عمل:

مفتی صاحب کا طرز عمل جمود علی الجزئیات اور اخذ بالاقوال الصوریہ نہیں تھا، بلکہ حالات و زمانہ کے تقاضوں اور

[5](فتاوی نوریہ، جلد3، صفحہ470، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

اور امت کی معروضی ضروریات کو سامنے رکھتے ہوئے پوری علمی دیانت، اعتدال، اور فقہی توسع کے ساتھ قول ضروری کی صورت میں امت کے لیے سہولتیں پیدا کرنے اور اصول کے دائرے میں رہتے ہوئے حالات کی ضروریات کو ایڈجسٹ کرنے کا رہا ہے اور یہی روایت ہم سب کے لیے مشعل راہ کی حیثیت رکھتی ہے۔

فتویٰ نویسی کا انداز:

بلاشبہ حضرت فقیہ اعظم فتوی نویسی میں غیر معمولی مہارت رکھتے تھے اور آپ کی ذات مرجع خلائق تھی، ملک اور بیرون ملک کے لوگ شرعی مسائل کے حل کے لیے آپ کی طرف رجوع کرتے۔ فقہ میں آپ کو ایک اعلیٰ مقام حاصل تھا۔ ایک فقیہ اور مفتی کے لیے جن خصوصیات کا ہونا ضروری ہے، وہ تمام آپ میں بدرجہ اتم پائی جاتی تھیں۔

عام طور پر مفتی کے لیے چار چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ (1) علمی وسعت (2) ایمانی فراست (3) دیانت (4) تزکیہ نفس۔ یعنی طہارتِ ظاہر و باطن۔ یہ چار چیزیں اگر مفتی میں ہیں، تو وہ صحیح معنوں میں رہنمائی کر سکتا ہے ،حضرت فقیہ اعظم میں یہ چاروں بتمام وکمال پائی جاتی ہیں۔

کثرتِ مراجعت:

فتاوی نوریہ کی چھ ضخیم جلدوں کے مطالعہ سے آپ کے تبحر علمی، وسعت نظر، قوت استدلال، صلابت رائے اور فقہی بصیرت کا بخوبی اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔ اکثر و بیشتر فتاوی اعلیٰ ترین تحقیقی مقالات کے معیار پر پورے اترتے ہیں، جن میں سے بیسیوں مآخذ سے رجوع کیا گیا ہے، ایک استفتاء کے جواب میں ضمناً آپ نے خود تحریر فرمایا "بفضلہ تعالیٰ مجھے التزام ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے، تو متعدد معتمدات مذہب ضرور دیکھ لیا کرتا ہوں۔"[6]

فتویٰ میں احتیاط:

ایک عالم اور فقیہ پر یہ بھی لازم ہے کہ وہ بلا تحقیق جواب نہ دے اور اگر کسی مسئلے میں تحقیق نہ ہو، تو اس کی وضاحت کرنے اور اصل صورت حال کے برملا اظہار میں اپنی توہین محسوس نہ کرے، جیسا کہ امام دارالہجرہ حضرت

---

[6] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ691، دارالعلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

مالک بن انس رضی اللہ عنہ سے ایک بار 40 سوال دریافت کیے گئے، مگر آپ نے باوصف اپنی جلالت علمی صرف چار کا جواب دیا اور چھتیس سوالات کے بارے میں فرمایا: "لا ادری" ان کا جواب میری سمجھ میں نہیں آتا۔

حضرت فقیہ اعظم کی خدمت میں بھی ان سے مولانا عبدالعزیز صاحب مہتمم مدرسہ احیاء العلوم بورے والا نے تین سوالات کے جوابات طلب کیے، پہلے دو سوالوں کے جواب دیے، مگر تیسرا سوال نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے بارے میں تھا، تو جواب سے انکار کرتے ہوئے حضرت نے فرمایا واللہ تعالیٰ اعلم۔ بعد میں جب تحقیق کامل ہوئی، تو اس مسئلہ پر ایک مستقل کتاب تحریر فرمادی۔

مرجع علماء:

فقیہ اعظم سے عام لوگوں کے علاوہ خواص جن میں مولانا عبدالغفور ہزاروی، جسٹس شجاعت علی قادری، صاحبزادہ فیض الحسن، مولانا غلام علی اوکاڑوی، مفتی غلام سرور قادری اور دیگر نے سوال لکھ کر فتاویٰ لیے، جبکہ 1976 میں حج کے موقع پر عرفات میں مولانا عبدالمصطفیٰ الازہری اور پیر سید حسین الدین نے آپ کے فتویٰ کی روشنی میں ظہر و عصر کی نمازیں جمع کر کے پڑھیں۔ اکثر شاگردوں کو فرماتے: "آپ نے دین کے لیے کیا کیا ہے؟" طلباء کی دستار بندی کے موقع پر فرماتے: "معاشرے میں مشکلات نہیں آسانیاں پیدا کرنا" شرعی سزاؤں کے نفاذ میں حکومت کی رہنمائی ضرور کرتے، لیکن "سزادینا" ذاتی نہیں، بلکہ اسلامی حکومت کا فریضہ قرار دیتے تھے۔ فرماتے: "بے علم صوفی شیطان کا مسخرہ ہوتا ہے۔"

علمی خزانہ:

فقاہت و ذہانت کے اعلیٰ مقام پر فائز اس ہستی نے 1944 میں دورہ حدیث کی کلاس شروع کی، تو علم کی پیاس بجھانے والوں میں ان کے بنیادی استاذ اور والد گرامی مولانا محمد صدیق بھی کلاس میں تشریف فرما ہوتے۔ فقیہ اعظم اپنے فتاوی میں اکثر جدید مسائل کو اپنے علم سے حل کر دیتے، اس کی دلیل فتاویٰ نوریہ کی 6 جلدیں ہیں۔ فتویٰ جاری کرتے وقت قرآن، سنت، حدیث کے علاوہ بعض اوقات حاجت کی صورت میں دیگر مذاہب کی الہامی کتب کا

ضرور مطالعہ کرتے۔ فتاویٰ نوریہ میں 926 فتاویٰ جات ہیں، جن میں 3600 صفحات، ایک صفحہ میں 20 لائنیں، فی لائن 24 الفاظ، ایک صفحہ میں تقریباً 480 الفاظ، یوں تقریباً 1728000 (سترہ لاکھ اٹھائیس ہزار) الفاظ کا مجموعہ ہے، فتاویٰ میں 655 عوام الناس، 271 علماء و دانش ور طبقہ کو جوابات دیے ہیں یعنی ایک تہائی حصہ فتاویٰ نوریہ علماء کی رہنمائی کرتا ہے، جس میں سینکڑوں آیات احادیث حوالہ جات کے ساتھ موجود ہیں۔ صحیح بخاری، صحیح مسلم اور دیگر کتب پر حواشی کے چھ سو سے زائد صفحات اور تین لاکھ سے زائد الفاظ اور دیگر 28 کتابیں ہیں۔

آپ کی علمیت پر علمائے کرام کے تاثرات:

(1) جسٹس مفتی سید شجاعت علی قادری، جج وفاقی شرعی عدالت آپ کی اجتہادی بصیرت کا یوں تذکرہ کرتے ہیں:

”حضرت کا علم و حلم، ورع و تقویٰ، فقاہت و اجتہاد مسلمہ امور ہیں، لیکن جس امر نے مجھے فکری اعتبار سے ہمیشہ ان کے قریب رکھا ہے، وہ حالات حاضرہ کے جدید تقاضوں کا گہرا شعور اور مسائل عصریہ کا مجتہدانہ حل پیش کرنے کی اعلیٰ ترین صلاحیت کا ان میں موجود ہونا ہے۔ ایک مرتبہ پچیس سے زائد مسائل پر مشتمل ایک سوالنامہ فقیر نے پاکستان کے اکابر علماء کی خدمت میں ارسال کیا، جس میں انتقال خون، اعضاء کی پیوندکاری، ٹیسٹ ٹیوب بے بی وغیرہ جدید مسائل کے بارے میں رائے طلب کی گئی، حضرت مفتی صاحب ان چند بزرگوں میں سے تھے، جنہوں نے جواب کی زحمت برداشت کی، بلکہ صحیح یہ ہے کہ پوری دلچسپی سے معقول و مدلل جوابات صرف آپ ہی کے تھے۔“[7]

(2) شیخ القرآن، حضرت علامہ ابو الفضل و البیان مولانا غلام علی اشرفی اوکاڑوی علیہ الرحمۃ نے حضرت کی جلالت علمی کا یوں تذکرہ کیا ہے۔

”لوگ فقیہ اعظم کہتے ہیں، لیکن میں یہ کہنے میں کوئی باک نہیں سمجھتا کہ اگر دیگر اں فقہاء اند او افقہ الفقہاء بود

[7](فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 81، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

فتوی کے اندر اگر میں یہ کہوں کہ وہ اصحاب ترجیح سے تھے، تو مبالغہ نہیں ہو گا، ان کے فتووں کے اندر اجتہادی شان ہے، مجتہدانہ بصیرت ان کو حاصل تھی، ویسے تو لابد للمفتی ان یکون مجتہدا، ہر مفتی کے لیے مجتہد ہونا ضروری ہے، لیکن حضرت فقیہ اعظم کے فتاوی کی اپنی شان ہے، ان کی بعض تحقیقات سے کسی کو اختلاف ہو، تو الگ بات ہے، لیکن ان کی فقاہت اور ثقاہت کے بارے میں کوئی شک وشبہ نہیں۔"(8)

(3) شیخ القرآن، علامہ عبد الغفور ہزاروی نے آپ کو "آیت من آیات اللہ" کہا۔

(4) صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ نے آپ کو دور حاضر کا امام ابو حنیفہ قرار دیا۔(9)

---

(8)(فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ82، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

(9)(فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ82، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

الفصل الثالث

(فتاوی نوریہ، جلد اول کا مختصر تعارف)

فتاوی نوریہ جلد اول ایک نظر میں

عصر حاضر کا عظیم فقہی شاہکار اور فقہ حنفی کا ممتاز انسائیکلوپیڈیا فتاوی نوریہ ،جس کی جلد اول پہلی مرتبہ 1394ھ /1974ء میں شائع کی گئی، دوسری مرتبہ 1401ھ / 1981ء میں اور تیسری مرتبہ 1412ھ / 1991ء میں اور اس کا چوتھا ایڈیشن 1418ھ / 1997ء میں مطلع علم پر نمودار ہوا، یوں اس کا نقش رابع چشمہ صافی کی صورت میں تشنگان علوم دینیہ کو اپنے فیوضات علمیہ سے سیراب کرنے لگا۔ ہمارے پیش نظر اس وقت فتاوی نوریہ کی جلد اول کا یہی چوتھا ایڈیشن ہے، آئندہ سطور میں اس کا ایک مختصر جائزہ پیش کیا جارہا ہے۔

اس کے صفحات کی تعداد 792 ہے جس کی تقسیم درج ذیل ہے۔ابتدائی چار صفحات کی تفصیل یہ ہے۔

صفحہ 1 پر طغری کی صورت میں "فتاوی نوریہ" تحریر ہے۔

صفحہ (ب) خالی ہے۔

صفحہ (ج) پر تسمیہ کو ایک دائرہ کی صورت میں لکھ کر خطاطی کا مظاہرہ کیا گیا ہے۔

صفحہ (د) پر شیخ سعدی کی مشہور رباعی "بلغ العلی بکمالہ" ہے۔

صفحہ نمبر 1 پر آیت کریمہ ﴿اللہ نور السموٰت والارض﴾ کو خوبصورت انداز میں لکھا گیا ہے، جو اپنی جگہ خطاطی کا ایک انمول نمونہ ہے۔

صفحہ نمبر 2 پر آیت قرآنی ﴿یستفتونک ۔۔ قل اللہ یفتیکم﴾ درج ہے۔

صفحہ نمبر 3، یہ صفحہ اندرونی ٹائٹل ہے، جس کی پیشانی کو ﴿قد جاء کم من اللہ نور و کتاب مبین﴾ آیت کریمہ سے سجایا گیا ہے، بعد ازاں جلی حروف میں کتاب کا نام فتاوی نوریہ لکھ کر نیچے صاحبِ فتاوی کا نام مع القابات لکھا گیا ہے، ساتھ ہی مرتب ومدون فتاوی کا نام بھی تمام القابات کے ساتھ لکھنے کے بعد جلی حروف میں ناشر کا نام وپتہ دیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر 4 پرنٹ لائن ہے، جس میں اس جلد کی اب تک کی تمام اشاعتوں کے سن کا ذکر کیا گیا ہے۔

صفحہ نمبر 5 تا 8، کتاب ہذا کے مدون ثانی حضرت صاحبزادہ مولانا محب اللہ نوری صاحب کے قلم سے ”نقش آغاز“ کے عنوان سے لکھا گیا مضمون ہے، جس میں فتاوی کی تبویب و تسوید، ترتیب و تدوین اور زیر بحث موضوعات پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے اور ساتھ ہی ساتھ اس کام میں حصہ لینے والے افراد کا تذکرہ بھی بصورت شکریہ کیا گیا ہے، جو یقیناً ان احباب کی حوصلہ افزائی کا باعث ہے۔

صفحہ نمبر 9 تا 52، پر مشمولات کی مفصل فہرست دی گئی ہے، جس میں ابواب کی تقسیم کے ساتھ ہر باب میں بیان شدہ مسائل کی فہرست بھی دی گئی ہے، جس میں کتاب ہذا میں مذکور تمام مسائل کو ذکر کرنے کی امکانی کوشش کی گئی ہے۔

صفحہ 53 سے صفحہ 64 تک اپنے دور کے عظیم علمی و فقہی شاہکار پر اہل سنت کے نامور اور وطن عزیز کے اکابر علماء کے گراں قدر تاثرات شائع کیے گئے ہیں، جن میں علماء کے تاثرات زیرِ نظر اشاعت میں شامل ہیں۔ ان میں حضرت غزالی زماں، رازی دوراں علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ کے تاثرات "تقریظِ سعید" کے نام سے اور استاذ العلماء علامہ مولانا عطا محمد بندیالوی علیہ الرحمۃ کا ایک مضمون ”مجددِ وقت“ کے عنوان سے چار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس میں صاحب فتاوی کی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس سلسلے میں آخری مضمون محدثِ عصر، شارح مسلم حضرت علامہ مولانا غلام رسول سعیدی علیہ الرحمۃ کا ہے۔ یہ بھی ایک مضمون کی صورت میں ”ایک انقلاب آفرین کتاب“ کے عنوان سے چار صفحات پر پھیلا ہوا ہے، جس کا مرکزی مضمون صاحب فتاوی کا تفکر اور جدید فقہی مسائل پر ان کا گہری نظر رکھنا ہے۔

صفحہ 65 سے 103 تک 38 صفحات پر پھیلا ہوا ”حیات فقیہ اعظم“ کے عنوان سے ایک معلوماتی مضمون ہے ،جو جگر گوشہ فقیہ اعظم حضرت علامہ صاحبزادہ محمد محب اللہ نوری کے قلم سے لکھا گیا ہے، یہ طویل مضمون حضرت کا مکمل سوانحی خاکہ آپ کی علمی و روحانی، سیاسی و سماجی خدمات اور علوم عقلیہ و نقلیہ کا تفصیلی تذکرہ ہے، جن میں حضرت کو ید طولی حاصل تھا، یہ مضمون اپنی جگہ ایک مستقل رسالہ کی حیثیت رکھتا ہے، جو صاحبِ فتاوی کی کتاب

زیست کے ایک ایک باب اور ایک ایک عنوان کو آفتاب نصف النہار کی طرح قاری کے سامنے کھول کر رکھ دیتا ہے، سوانح نوریہ کی ابتدا میں آپ کے اجدادِ کرام کا بھی مختصر ذکر ہے، جس سے مضمون کی افادیت دوچند ہو گئی ہے۔

صفحہ 104 سے 106 تک تین صفحات میں فتاوی کے مرتب اول حضرت نور اللہ، مولانا ابو الفضل محمد نصر اللہ صاحب کا سوانحی خاکہ بھی انتہائی دلکش اور خوبصورت انداز میں شامل کتاب کیا گیا ہے، یہ بھی حضرت صاحبزادہ محب اللہ نوری صاحب ہی کے قلم کا شاہکار ہے، جو اپنے جدید اسلوب کی تمام تر رعنائیوں کو سمیٹے ہوئے ہے۔

صفحہ 107 سے فتاوی نوریہ کا باقاعدہ آغاز ہوتا ہے اور یہ صفحہ 734 تک پھیلا ہوا ہے، گویا کہ یہ 638 صفحات پر پھیلا ہوا فقہ حنفی کا بحر زخار ہے، جس میں مسائل دینیہ کی صورت میں سینکڑوں ہیرے اور موتی پائے جاتے ہیں، جن کو مختلف کتب میں تقسیم کیا گیا ہے۔

صفحہ 735 سے لے کر صفحہ 750 تک فتاوی میں مذکور آیاتِ قرآنیہ کا اشاریہ جدید اسلوب تحقیق کے مطابق مرتب کیا گیا ہے، جس سے مطلوبہ آیت کی تلاش انتہائی آسان ہو گئی ہے، آیاتِ قرآنیہ کا یہ اشاریہ پاروں کی ترتیب کے مطابق ہے، جب کہ آیات کی تعداد 174 ہے، جن سے اس زیر نظر جلد میں استدلال کیا گیا ہے۔

صفحہ 751 سے صفحہ 772 تک 26 صفحات ان احادیث کی فہرست پر مشتمل ہیں، جن سے مختلف مسائل میں استدلال کیا گیا ہے، احادیث کا یہ اشاریہ حروف تہجی کے اعتبار سے مرتب کیا گیا ہے، پیش کی گئی احادیث کی کل تعداد 371 ہے۔

صفحہ 777 سے صفحہ 788 تک 11 صفحات میں اس عظیم علمی شہ پارے کے مطالع کا تذکرہ ''ماخذ و مراجع فتاوی نوریہ جلد 1'' کے عنوان سے کیا گیا ہے، جس میں ان تمام کتب کا تفصیلی ذکر کر دیا گیا ہے، جو فتاوی مرتب کرتے وقت حضرت فقیہ اعظم رحمۃ اللہ علیہ کے پیش نظر اور زیر مطالعہ رہیں۔ اس میں ہر کتاب کے مصنف، سن طباعت، مقام اشاعت اور مصنف کے سن وصال کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے، جس سے اس کے فتاوی کی اہمیت کا تعین کرنا آسان ہو گیا ہے۔

سوالات کی تعداد:

فتاوی نوریہ جلد اول، اشاعت چہارم 792 صفحات پر مشتمل ہے، جن میں 638 صفحات خالص فتاوی پر مشتمل ہیں، ان صفحات میں کل 174 استفتاءات کے جوابات دیے گئے ہیں، پھر ان میں اکثریت ایسے استفتاءات کی ہے، جن کے ذیل میں کئی کئی سوالات بلکہ بعض میں تو ان سوالات کی تعداد درجن تک پہنچ جاتی ہے، پورے فتاوی نوریہ جلد اول میں سینکڑوں سوالات کے جوابات دلائل شرعیہ کی روشنی میں پیش کیے گئے ہیں، فتاوی نوریہ کی پہلی جلد کے مطالعہ سے صاحب فتاوی کی مرجعیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس میں شامل 72 استفتاءات ایسے ہیں، جو علمائے وقت اور دانشوران قوم نے مختلف اوقات میں حضرت فقیہ اعظم کے دربار علمی میں بھیجے تھے، یہ تعداد کل استفتاءات کی ایک تہائی بنتی ہے۔

جلد اول کے اہم عنوان ومباحث:

فتاوی نوریہ جلد اول درج ذیل اہم عنوانات اور مباحث کا احاطہ کیے ہوئے ہے۔

(1) کتاب الطہارات، صفحہ 111 تا134۔

11 استفتاءات کے ذیل میں غسل وطہارت اور ان کے متعلقات کے حوالے سے 23 سوالات کے علمی و تحقیقی جوابات۔

(2) کتاب الوقف، المساجد وغیرہا، صفحہ 137 تا154۔

13 استفتاءات کے ذیل میں مساجد اور دیگر اشیاء وغیرہ کے وقف سے متعلق 14 سوالات کے جوابات۔

(3) عقود العساجد لعمار المساجد، صفحہ 155 تا183۔

پہلے سے بنی ہوئی مسجد کو شہید کر کے از سر نو تعمیر کرنا اور اسی طرح پہلی مسجد کی جگہ کو کسی اور مصرف کے لیے استعمال کرنے سے متعلق انتہائی تحقیقی انداز اور ٹھوس علمی دلائل کے ساتھ فتوی دیا گیا ہے، جواب اس قدر مفصل ہے کہ یہ بذات خود ایک مستقل رسالہ بن گیا ہے، جواب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔

فصل اول نوری جواب سوال:

اس میں قرآن مجید سے استفادہ کرتے ہوئے سات مستند مفسرین کے حوالہ جات نقل کرنے کے علاوہ 6 مستند کتب فقہ مثلا بحر الرائق، مبسوط سرخسی، فتح القدیر وغیرہ کے حوالہ جات بھی شامل فتوی ہیں، علاوہ ازیں احادیث کے عنوان سے حدیث پاک کی آٹھ کتب معتبرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ فصل اول کے اختتام پر "مذہب مہذب حنفیہ کا حکم" کا عنوان قائم کرکے فقہ حنفی کی آٹھ معتبر کتب فتاوی سے زیر بحث مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل دوم نوری جواب استدلال:

اس مسئلہ میں ایک مولوی صاحب کے استدلال کا ٹھوس علمی دلائل سے انتہائی نفیس رد ہے، اس سلسلہ میں مولوی صاحب موصوف کی ایک ایک دلیل لے کر اس کا رد قرآن وحدیث اور کتب معتبرہ سے کیا گیا ہے، اسی فصل کے اختتام پر عیسائیوں کے چندہ سے تعمیر شدہ مسجد سے متعلق مولانا سید مفتی مسعود علی قادری کے ایک فتوے پر مفتی صاحب کی رائے بھی شامل ہے۔

(4) کتاب الصلاۃ، (باب الاوقات) صفحہ 222 تا 266۔

تنویر فئی الزوال بنور عدل فئی الزوال کے نام سے ظہر اور عصر کی نمازوں کے لیے اوقات معلوم کرنے کے مسئلہ میں ایک نادر علمی تحقیق، جو پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے، یہ بھی ایک مستقل رسالہ ہے، جو عربی زبان میں ہونے کی وجہ سے حضرت فقیہ اعظم علیہ الرحمۃ کے تبحر علمی کے ساتھ ساتھ عربی زبان وادب میں مہارت پر بھی شاہد ہے، ضرورت ہے کہ اس کا بھی اردو ترجمہ کر دیا جائے، تاکہ عربی سے ناواقف عام لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکیں، یہ رسالہ صفحہ 223 سے صفحہ 232 یعنی دس صفحات پر پھیلا ہوا ہے۔

(5) ابداء البشری بقول الصلوۃ فی الضحوۃ الکبری، صفحہ 233 تا 264۔

یہ بھی ایک مستقل رسالہ ہے، جو مشرقی پاکستان سے مولانا عبد الکریم قادری نعیمی کے مرسلہ ایک استفتاء کے

جواب میں لکھا گیا ہے، خلاصہ جواب یہ ہے کہ نماز عید نصف النہار حقیقی تک ادا کی جاسکتی ہے، مولانا نعیم قادری کے سوال میں تو تاریخ کا اہتمام نہیں کیا گیا، البتہ اسی مسئلہ سے متعلق ایک اور سوال جو محمد کمال الدین امام مسجد دار العلوم گنج فرید پور مشرقی پاکستان میں بغرض جواب بھیجا، اس کے آخر میں یکم ربیع الاول 1389ء کی تاریخ درج ہے اور حضرت کے جواب جو دونوں کا مشترکہ جواب ہے، کے آخر میں 14 جمادی الاولی 1389ء کی تاریخ درج ہے، اس رسالہ کو بھی حضرت صاحب فتاوی نے اپنے ذوق علمی کے مطابق درجنوں کتب تفسیر، فقہ، حدیث اور اصول سے مزین کیا ہے۔

(6) کتاب الصلاۃ، (باب الاذان) صفحہ 267 تا 307۔

اس باب میں 18 استفتاءات کے ذیل میں 12 سوالات کے جواب شامل ہیں، جن میں اذان میں اسم پاک سن کر انگوٹھے چومنے کے متعلق "تقبیل الابهامین عند ثانی الاذانین" کے عنوان سے ایک مستقل رسالہ بھی شامل باب ہے، جو اس مسئلہ میں بالخصوص علم و تحقیق کا ایک نادر نمونہ اور بحر زخار ہے، یہ رسالہ صفحہ 276 سے 301 تک پھیلا ہوا ہے۔

(7) باب الامامۃ، صفحہ 309 تا 492۔

29 استفتاءات کے ذیل میں شرائط و مسائل امامت سے متعلق 39 سوالات کے نفیس جوابات اور پھر اس کے ساتھ ہی حضرت فقیہ اعظم کا عظیم علمی و تحقیقی اور معرکۃ الآرا مقالہ "مکبر الصوت مع ضمیمة مکبر الصوت" صفحہ 363 تا 492 تک پھیلا ہوا ہے، جو نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے جواز پر ہے، اس کی ایک ایک سطر سے قاری کو حضرت کے علمی فیضان کی گہرائی کا احساس ہونے لگتا ہے اور وہ یوں سمجھتا ہے، جیسے علم و عرفان کے ایک وسیع سمندر کے کنارے کھڑا ہے، جس کا دور تک کوئی کنارہ نظر نہیں آتا، مختصر یہ کہ یہ رسالہ حضرت کے تبحر علمی کا ایک شاہکار اور منہ بولتا ثبوت ہے۔

(8) باب مایجوز فی الصلوۃ ومالایجوز، صفحہ 493 تا 522۔

یہ باب 7 استفتاءات اوران کے تحت 12 سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے۔

(9) باب القراءة، صفحہ 523 تا 550۔

نماز میں قراءت کے متعلق اس باب میں کل 9 استفتاءات ہیں، جن کے نیچے 13 سوالات ہیں

(10) باب الوتر والنوافل، صفحہ 551 تا 582۔

اس باب میں کل 14 سوالات ہیں، جن کے شافی جوابات رقم کیے گئے ہیں۔

(11) باب سجدۃ السہو، صفحہ 583 تا 597۔

اس باب میں کل 7 استفتاءات اوران کے نیچے 13 سوالات کے جوابات شامل ہیں۔

(12) باب صلاۃ المسافر، صفحہ 598 تا 616۔

اس میں مسافر کی نماز اور اس کے متعلق 4 استفتاءات اوران کے محققانہ جوابات ہیں۔

(13) رسالہ انوار انتق الدولہ فی اجوبۃ اسئلۃ فکادولہ، صفحہ 618 تا 654۔

تحصیل دیپالپور کے مشہور معروف گاؤں پکا ڈولہ سے ایک استفتاء، جس کے ذیل میں 12 سوالات کے جوابات پوچھے گئے ،اس کے جواب میں یہ مبارک رسالہ لکھا گیا، اس رسالے کا مرکزی مضمون جمعہ ، عرس ، گیارھویں شریف، کھانا سامنے رکھ کر فاتحہ دینے، ساتواں، چالیسواں کرنے، قبروں پر قبے بنانے، استعانت واستمداد بالخلوق، بعد از وصال قبر پر دیے جلانے اور فاتحہ خلف الامام وغیرہ مسائل پر نصوص شرعیہ ودلائل کی روشنی میں مفصل گفتگو کی گئی ہے۔

(14) باب الجنائز، صفحہ 679 تا 725۔

یہ 21 استفتاءات اوران کے ذیل میں 26 سوالات کے جوابات پر مشتمل ہے، جن میں نماز جنازہ اور دعا بعد از جنازہ پر معتبر کتب حنفیہ سے مسلک حق کو واضح کیا گیا ہے۔

جلد اول کے چند اہم اور نامور مستفتیان:

جیسا کہ یہ پہلے بیان کیا جاچکا ہے کہ فتاوی نوریہ جلد اول میں کل 174 استفتاءات ہیں، جن میں سے ایک تہائی یعنی 72 استفتاءات تو ایسے ہیں جو علماء اور دانشوروں نے مختلف مسائل دینیہ میں پوچھے، ان سب اہل علم مستفتیان کے نام درج کرنا تو طوالت کا باعث ہے، البتہ ان میں سے چند کے اسمائے گرامی فتاوی کے صفحہ نمبر کے ساتھ یہاں ذکر کیے جاتے ہیں، جن سے قارئین کو یہ اندازہ کرنا آسان ہوگا کہ اس چشمہ نور سے آسمان علم وحکمت کے کون کون سے ستارے روشنی حاصل کرتے رہے ہیں۔

(1) مولانا محمد منشا تابش قصوری، امام مسجد فردوس، مریدکے، ضلع شیخوپورہ، مدرس جامعہ نظامیہ رضویہ، لوہاری گیٹ، لاہور۔

شہید کی گئی مسجدوں کے پرانے سامان کو فروخت کرنے کے متعلق استفتاء صفحہ 146

(2) لیفٹیننٹ کرنل عزیز احمد خان، ڈائریکٹر وقف املاک، پنجاب۔

سرکاری وغیر سرکاری زمین میں پیشگی اجازت کے بغیر بنائی گئی مسجد کے متعلق پوچھا گیا استفتاء، صفحہ 192 تا 194

(3) ابوالنصر، مولانا منظور احمد شاہ، جامعہ فریدیہ ساہیوال۔

چلتی ریل گاڑی، کشتی وجہاز میں ادائیگی نماز اور مسئلہ تثویب سے متعلق پوچھا گیا استفتاء ہے، صفحہ 207

(4) مولانا محمد عبد الکریم قادری نعیمی، مدرسہ عزیزیہ جلالیہ اسلامیہ، فرید پور مشرقی پاکستان (بنگلہ دیش)

ضحوۃ الکبری میں ادائیگی نماز سے متعلق استفتاء، صفحہ 235 تا 238

(5) مولانا منظور احمد، مدرسہ دار العلوم عالیہ عربیہ، مدینہ مسجد، ساہیوال۔

جمعہ کی اذان ثانی کے متعلق استفتاء، صفحہ 279

(6) شیخ القرآن حضرت علامہ مولانا محمد عبد الغفور ہزاروی، وزیر آباد۔

بد عقیدہ لوگوں کے جلسوں میں شرکت اور امر بالمعروف میں ان سے مل کر کام کرنے سے متعلق پوچھا گیا استفتاء، صفحہ 311

(7) مولانا مفتی غلام سرور قادری، جامعہ غوثیہ رضویہ، ماڈل ٹاؤن، لاہور۔

حضرت سیدنا علی المرتضی رضی اللہ عنہ کو حضرات شیخین پر فضیلت دینے والے کی اقتداء میں نماز کی ادائیگی کا حکم اور حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے گستاخ کا حکم، صفحہ 320

(8) حضرت مولانا محب النبی، مدرس جامعہ غوثیہ نظامیہ، وزیر آباد۔

بوقت ضرورت قبضہ سے کم داڑھی رکھنے والے کی اقتداء میں نماز ادا کرنا، صفحہ 347

(9) مولانا محمد نواز اویسی، مہتمم دار العلوم جامعہ محمدیہ رضویہ، رحیم یار خان۔

نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کے متعلق سوال، صفحہ 467

(10) خطیب پاکستان حضرت مولانا حافظ محمد شفیع اوکاڑوی، کراچی۔

صرف ٹوپی پہن کر نماز پڑھنے سے متعلق استفتاء، صفحہ 500

(11) علامہ مولانا منظور احمد مدرسہ اسلامیہ غوثیہ، کہروڑپکا

(12) ابو الارشاد مولانا غلام رسول اشرفی قصور۔

چین اور زنجیر کی گھڑی کا مسئلہ، صفحہ 519

(13) مولانا محمد منظور احمد نقشبندی مرتضائی، رائیونڈ، ضلع لاہور۔

جمعہ کے روز احتیاطی ظہر پڑھنے کا مسئلہ، صفحہ 664

(14) مولانا ابو الفیض علی محمد نوری (بانی جامعہ نوریہ فیض العلوم، وہاڑی)۔

دیہات میں نمازِ عید بطور نفل پڑھنے کا حکم

جلد اول میں شامل مستقل رسائل:

اس جلد میں سات عدد مستقل رسائل شامل ہیں۔

(1) عقود العساجد لعمار المساجد ، صفحہ 155 تا183۔ تعمیر ثانی کے موقع پر مسجد کے کسی حصہ کو مسجد سے خارج کرنا حرام ہے۔

(2)تنویر فئی الزوال بنور عدل فئی الزوال، صفحہ 223 تا232۔ ظہر عصر کی نمازوں کے اوقات معلوم کرنے کے طریقہ پر تحقیقی شاہکار۔

(3)ابداء البشری بقبول الصلاۃ فی الضحوۃ الکبری ، صفحہ 233 تا264۔ نمازِ عید کی ادائیگی نصف النہار کے وقت تک کی جاسکتی ہے۔

(4)تقبیل الابہامین عند ثانی الاذانین، صفحہ 277 تا 301۔ جمعہ کی اذان ثانی میں انگوٹھے چومنے کا حکم۔

(5)مکبر الصوت، صفحہ 363 تا427۔ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا جواز۔

(6)ضمیمہ مکبر الصوت، صفحہ 427 تا455۔ نماز میں لاؤڈ اسپیکر کے استعمال کا جواز۔

(7) انوار القن الدولہ فی اجوبۃ اسئلہ فکادولہ، صفحہ 618 تا654۔ جمعہ، عرس، فاتحہ خلف الامام، طعام پر فاتحہ، ساتواں، چہلم، مزارات پر گنبد بنانے، چراغ جلانے اور استمداد اولیاء وغیرہ مسائل پر مدلل رسالہ۔

مجموعی مسائل کی تعداد:

فتاوی نوریہ کی جلد اول میں مذکور مختلف عناوین اور مباحث میں بیان کردہ مسائل کی کل تعداد 609 ہے، جن میں احکام شرعیہ وفقہیہ کے علاوہ اعتقادی وکلامی مسائل، مثلا اصول تفسیر، اصول فقہ، اصول حدیث، رسم المفتی، اور اصول فتوی پر بھی خالص علمی مباحث شامل ہیں۔

نوٹ:

فتاوی نوریہ کا مختصر تعارف محمد الیاس اعظمی صاحب کے مقالے ”فتاوی نوریہ ایک تقابلی مطالعہ “ سے لیا گیا ہے۔

الباب الثانی

الفصل الاول: جواب ودلائل کا منہج واسلوب

الفصل الثانی: اختلاف ورد کا منہج واسلوب

الفصل الاول

(جواب ودلائل کا منہج واسلوب)

علوم دینیہ میں اچھی مہارت حاصل کیے بغیر فتوی دینا، نہایت خطرناک کام ہے، کیونکہ ایک چیز کو اللہ تعالیٰ نے حلال کیا ہو اور کوئی شخص اپنی کم علمی کی وجہ سے اپنے اندازے سے ہی اسے حرام کہہ دے یا کسی چیز کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہو اور کوئی شخص بغیر علم کے اسے حلال کہہ دے، تو یہ بہت بڑی جسارت ہے، پھر صاحبان علم میں سے بھی ہر شخص فتوی نہیں دے سکتا، بلکہ فتوی نویسی اس سے آگے کا مرتبہ ہے اور مفتیان کرام کے لیے بھی بہت زیادہ احتیاط لازم ہوتی ہے۔

فتوی عموماً ایک سائل کو دیا جاتا ہے، لیکن کثیر عوام وخواص سبھی اس شرعی حکم سے مستفید ہوتے ہیں، لہذا فتوی ایسا ہو، جو عمدگی کے ہر معیار پر پورا اترتا ہو، جس کے بہت سے تقاضے ہیں، اس باب کی اس فصل میں فتاوی نوریہ کی پہلی جلد کے فتاوی کا اسلوب جاننے کی سعی کی جائے گی کہ مفتی صاحب فتوی لکھتے ہوئے کن کن چیزوں کا لحاظ کرتے ہوئے جواب دیتے اور اس کی عبارت بناتے ہیں اور کس انداز میں دلائل کو ذکر کرتے اور استدلال کرتے ہیں، اس پورے باب میں تو فتاوی نوریہ کی پہلی جلد کے مطالعہ سے حاصل کی گئی ان 39 چیزوں کو بیان کیا جائے گا، لیکن خاص اس پہلی فصل میں صرف ان چیزوں کو بیان کیا جائے گا، جن سے مفتی صاحب کے جواب کے اسلوب، طرزِ استدلال، منہج اور ذکر دلائل کے انداز کو سمجھنا آسان ہو جائے گا، اس فصل میں فتاوی نوریہ کی جلد اول کے فتاوی کے "جواب ودلائل کا منہج واسلوب" بیان کیا گیا ہے اور اگلی فصل میں "اختلاف ورد کا منہج واسلوب" بیان کیا جائے گا۔

فتاوی نوریہ جلد اول کے جواب ودلائل کا منہج واسلوب درج ذیل ہے۔

(1) جواب میں قرآنی آیات، احادیث اور فقہ حنفی کے جزئیات کا التزام اور ان کی ترتیب:

ویسے تو فتوی قرآن وحدیث کی روشنی میں ہی لکھا جاتا ہے، مگر عمومی طور پر فتوی میں فقہ حنفی کے جزئیات کا زیادہ اندراج کیا جاتا ہے، یہ جزئیات اگرچہ قرآن وحدیث سے ہی مستفاد ہوتے ہیں، لیکن یہ بات بھی اہم ہے کہ خود قرآنی آیات اور نصوص احادیث سب سے مقدم ہیں۔ اس لیے اگر فتوے میں موقع ومحل کے اعتبار سے قرآنی

آیات کو شامل کر دیا جائے اور پھر اس کی تشریح میں یا اپنے جواب کی مناسبت میں احادیث مبارکہ کو درج کر دیا جائے، تو اس سے نہ صرف فتوی میں عمدگی اور خوبصورتی پیدا ہوتی اور فتوی میں تحقیقی اسلوب اجاگر ہوتا ہے، بلکہ اس کے ساتھ ساتھ سائل جب فتوی پڑھتا ہے، تو جواب کے بعد آیاتِ قرآنیہ اور احادیثِ نبویہ پڑھ کر اسے فتوی کی درستی کے بارے میں ذہنی تشفی بھی ہو جاتی ہے کہ یہ فتوی قرآن و حدیث کے دلائل کے ساتھ لکھا گیا ہے۔

حضرت مفتی نوراللہ بصیرپوری علیہ الرحمۃ سے جب کوئی سائل سوال کرتا، تو اگر اس سوال کے جواب میں دلائل ذکر کیے جاتے، تو اس بات کا ضرور التزام ہوتا، کہ اس میں فقہ حنفی کے جزئیات سے پہلے موضوع کی مناسب سے قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ تحریر ہوں۔

مثال:

سوال ہوا کہ ایک گاؤں کی خام مسجد شہید کر کے پختہ تیار کی گئی اور پہلی مسجد کے صحن کا حصہ، جو مسجد میں داخل تھا اور اس میں نماز باجماعت پڑھی جاتی تھی، اس کے بعض حصے کو مسجد سے خارج کر دیا گیا، ایسا کرنا کیسا؟ تو فتوی کے جواب میں سب سے پہلے اس کو قرآن کریم کی آیات کے ذریعے سے ثابت کیا کہ ایسا کرنا ناجائز و گناہ ہے اور یہ اللہ کی مساجد سے ذکر کو منع کرنے کے زمرے میں آتا ہے کہ جسے قرآن پاک میں ظلم سے تعبیر کیا گیا ہے اور قرآنی آیات کے بعد قرآن مجید سے استفادہ کرتے ہوئے سات مستند مفسرین کے حوالہ جات نقل کرتے ہوئے کتبِ تفاسیر سے اس آیت کی تفسیر کو بیان کیا گیا کہ یہاں پر مسجد سے ذکر کو منع کرنے سے کیا مراد ہے؟ اور اپنے موضوع کے مطابق ان آیات کو سوال کے جواب پر منطبق کیا۔

اس کے بعد آٹھ معتبر کتبِ حدیث سے احادیث مبارکہ کو بیان کیا گیا، جس سے یہ ثابت کیا کہ مسجدیں جس کام کے لیے بنائی گئی ہوں، ان کو اسی کام کے اندر رکھنا ضروری ہے، جس کے اوپر اونٹ کی گمشدگی والی مشہور حدیث پاک ہے اور اس کے علاوہ دیگر چیزوں کو مسجد میں تلاش کرنے کے اوپر جو احادیث ہیں، وہ بیان کی گئی ہیں کہ جس کام کے لیے مسجد بنائی جائے، صرف اسی کام کے لیے ہی اس کو رکھا جا سکتا ہے اور چونکہ مساجد کو اس کام کے لیے نہیں

بنایا گیا کہ اس کے بعض حصے کو مسجد سے خارج کر دیا جائے، لہذا احادیث کی روشنی میں بھی یہ عمل درست نہیں ہے۔

اس کے بعد یعنی قرآن واحادیث کے بعد فقہ حنفی کے جزئیات کا احاطہ کیا گیا، جس میں فقہ حنفی کی آٹھ معتبر کتب فتاوی سے زیر بحث مسئلہ پر روشنی ڈالتے ہوئے یہ ثابت کیا کہ جب تک مسجد آباد رہے، اس کی آبادی کا سامان کرنا ضروری ہے اور پھر یہ ثابت کیا کہ جو ایک بار مسجد بن جائے، تو وہ تمام ائمہ کے نزدیک مسجد ہی رہتی ہے اور اس کے متعلق جزئیات بیان کیے گئے۔ [10]

(2) مختلف مقدمات قائم کرکے ان مقدمات کے مطابق بالترتیب جواب دینا:

فتوی کا طویل جواب جو رسالے کی شکل میں ہو، اسے تحریر کرنے کی مختلف صورتیں ہوتی ہیں، لیکن اگر تحقیق معیار کا کوئی فتوی ہو، تو اس میں صاحب فتاوی نوریہ کی حتی الامکان یہ کوشش ہوتی ہے کہ سائل جواب کے ساتھ ساتھ اس کے تمام پہلوؤں کے متعلق جان لے اور کسی اشکال کے متعلق کوئی تشنگی باقی نہ رہے، ایسے تحقیقی فتاوی میں مفتی صاحب کا ایک اسلوب یہ ہے کہ وہ اپنے جواب کو مختلف مقدمات کی صورت میں بیان کرتے ہیں اور پھر ہر مقدمے کی ضروری تفصیل کے بعد اس مقدمے پر دلائل ذکر کرتے ہیں، اس طرح مختلف مقدمات مع دلائل ذکر کرنے کے بعد ایک جواب کی عبارت تشکیل دیتے ہیں، جس میں ان تمام مقدمات کا خلاصہ اور حاصل کلام موجود ہوتا ہے، یہ اسلوب جدید دور کے مقالہ جات میں بھی استعمال کیا جاتا ہے، جسے مفتی صاحب نے اپنے بعض تحقیقی فتاوی جات میں اختیار کیا ہے۔

مثال:

رسالہ مکبر الصوت میں مقدمات کے ذریعے جواب کو بالترتیب بیان کیا، چنانچہ شروع میں فرماتے ہیں کہ تفصیل جواب سے قبل ان مقدمات ضروریہ پر نظر غائر نہایت ضروری ہے اور پھر اپنے جواب کے لیے چند مقدمات قائم کیے۔

---

[10] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ157 تاالخ، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

پہلا مقدمہ یہ کہ اشیاء میں اصل اباحت ہے۔

دوسرا مقدمہ اس بات پر بیان فرمایا کہ بلا دلیل شرعی کسی شے کو حرام و مکروہ کہنا جھوٹ اور حرام ہے۔

تیسرا مقدمہ اس بات پر ہے کہ بلا تحقیق و ثبوتِ کامل کسی شے کو حرام و مکروہ کہنا افتراء ہے۔

چوتھا مقدمہ یہ بیان فرمایا کہ قوی گمانِ ممانعت نہ ہو، تو تحقیقات کی ضرورت نہیں۔

پانچواں مقدمہ یہ بیان فرمایا کہ اطلاق مطلق بمنزلہ نص ہے۔

چھٹا مقدمہ صوت و صدا کی تعریفیں معہ فوائد ضروریہ۔

ساتواں مقدمہ اس بات پر کہ صدا اور اسپیکر سے سنی گئی آواز متکلم ہی کی آواز ہوتی ہے۔

آٹھواں مقدمہ اس بات پر کہ آنکھ کان وغیرہ حواس خمسہ اور سچی خبریں اور عقل، یہ سب ذرائع ہیں جن سے یقینی علوم حاصل ہوتے ہیں۔

نویں مقدمے کے بعد دسویں مقدمے میں اقتداءِ حقیقی اور اقتداءِ صوری کی تعریفیں بیان فرمائیں۔

گیارہواں مقدمہ اس بات پر کہ نمازی کو غیر نمازی ہدایت دے سکتا ہے۔؟

بارہواں مقدمہ اس بات پر کہ اجابت فعلیہ (کسی غیر کے کہنے یا آنے وغیرہ کے سبب نمازی کا وہ کام کرنا جو جزء نماز نہیں) مفسد نماز نہیں، جبکہ وہ فعل قلیل ہو یا بغرض اصلاح نماز ہو۔

پھر جواب میں بیان فرماتے ہیں کہ اسپیکر کے ذریعے افعالِ امام پر اطلاع پا کر پیروی کرنے والے مقتدیوں کی نمازیں جائز ہیں، کسی آیت یا حدیث متواتر و مشہور اور خبر واحد یا اجماعِ امت یا ائمہ کرام سے اس کی حرمت و ممانعت ثابت نہیں۔[11]

(3) متعدد فصول کے ذریعے جواب دینا:

سوال کے جواب کا عمومی طریقہ یہی ہے کہ نفسِ سوال کا جواب ہو اور اس کے بعد دلائل ذکر کر دیئے جائیں

[11] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 370 تا 398، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

اور اگر فریق مخالف کے کچھ دلائل ہوں، تو آخر میں اس کا رد کر دیا جائے، لیکن اگر جواب طویل ہو اور اسے متعدد فصول میں تقسیم کر دیا جائے، تو اس سے خلطِ مبحث سے بھی بچا جاسکتا ہے، جواب میں عمدگی بھی پیدا ہوتی اور قاری کو پڑھنے میں بھی آسانی ہوتی ہے، چنانچہ اگر طویل جواب ہو تو صاحبِ فتاوی نوریہ اپنے طویل جوابات کو فصول میں تقسیم کر کے بھی بیان کرتے ہیں۔

مثال:

ایک گاؤں کی خام مسجد شہید کر کے بعض حصے کو مسجد سے خارج کرنے کے سوال کے جواب میں سب سے پہلے دو فصلیں قائم کیں۔

فصل اول نوری جواب سوال:

اس میں قرآن مجید سے استفادہ کرتے ہوئے سات مستند مفسرین کے حوالہ جات نقل کرنے کے علاوہ چھ مستند کتب فقہ، مثلاً: بحر الرائق، مبسوط سرخسی، فتح القدیر وغیرہ کے حوالہ جات بھی شامل فتوی ہیں، علاوہ ازیں احادیث کے عنوان سے حدیث پاک کی آٹھ کتب معتبرہ سے بھی استفادہ کیا گیا ہے۔ فصل اول کے اختتام پر "مذہب مہذب حنفیہ کا حکم" کا عنوان قائم کر کے فقہ حنفی کی آٹھ معتبر کتب فتاوی سے زیر بحث مسئلہ پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

فصل دوم نوری جواب استدلال:

اس مسئلہ میں ایک مولوی صاحب کے استدلال کا ٹھوس علمی دلائل سے انتہائی نفیس رد ہے، اس سلسلہ میں مولوی صاحب موصوف کی ایک ایک دلیل لے کر اس کا رد قرآن و حدیث اور کتب معتبرہ سے کیا گیا ہے۔[12]

(4) قیودات کا خصوصی لحاظ اور اُن قیودات کی وضاحت:

فتوی میں جواب کی قیودات دراصل فتوی کے صحیح ہونے کی ضمانت ہوا کرتی ہیں، اگر غلط قیودات لگائی جائیں، تو

---

[12](فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ157، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

اس سے جواب مختلف بھی ہو سکتا ہے، اسی طرح بعض قیودات بڑی اہم ہوا کرتی ہیں، اگر ان کو ملحوظ نہ رکھا جائے، تو فتوی کا جواب سائل کے لیے غلط فہمی کا سبب بھی بن سکتا ہے یا فتوی کی مطلق عبارتوں کو وہ اپنے غلط مفاد میں بھی استعمال کر سکتا ہے اور ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی ضروری قید کے نہ لگانے کی وجہ سے جواب ہی غلط ہو جائے، صاحب فتاویٰ نوریہ قیوادت کا التزام اس انداز سے کرتے ہیں کہ جواب پڑھنے والا اسے خاص اپنی صورت پر منطبق کر کے فتوی پر عمل کر سکتا ہے اور بعض اوقات ان قیودات کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ یہ قید اس جگہ کیوں لگائی گئی ہے، اس سے فتوی کی جامعیت ومانعیت ظاہر ہو جاتی ہے اور سائل جواب کی قیودات بھی سمجھ لیتا ہے اور اسے اپنی ہی صورت پر منطبق کرتا ہے۔

مثالیں:

(1) مسجد کا پنکھا وغیرہ کسی اور جگہ استعمال کرنے کے بارے میں سوال ہوا، تو ان قیودات کے ساتھ جواب ارشاد فرمایا: "آباد مسجد کے لیے وقف شدہ شے، چراغ، پنکھا وغیرہ، جو مسجد میں استعمال کی جاتی ہو، وہ اور کسی بھی جگہ استعمال کرنی جائز نہیں۔ اس عبارت میں بڑی خوش اسلوبی کے ساتھ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے **آباد مسجد** کی قید لگائی، کیونکہ ویران مسجد کی اشیاء کو کسی اور جگہ (مسجد میں) استعمال کیا جا سکتا ہے اور **وقف شدہ** کی قید اس لیے لگائی، تا کہ جو غیر وقف شدہ اشیاء ہیں، وہ اس سے نکل جائیں، کیونکہ اگر کوئی چیز وقف نہ ہو، تو اسے اس کے مالک کی اجازت سے کہیں بھی استعمال کر سکتے ہیں، اسی طرح **مسجد میں استعمال کیے جانے** کی قید لگائی، تا کہ وہ اشیاء جو نا قابل استعمال ہیں وہ نکل جائیں کیونکہ بعض صورتوں میں ان کو بیچ کر کسی اور جگہ استعمال کیا جا سکتا ہے، تو اس طرح مکمل قیودات کے ساتھ جواب کی عبارت کو بیان فرمایا۔[13]

(2) سوال کیا گیا کہ مسافر مقتدی نے امام کی اقتداء کی، بعدِ سلام امام کے مقتدی نے بھی سلام پھیر کر کلام کر لیا اور نماز باطل کر لی، نماز چہار گانہ تھی، اب مقتدی چار رکعت قضا کرے یا دو؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد

---

[13](فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ150، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

فرمایا:"اگر وہ اقتدا بطور ادائے فرض تھی اور اس کے وقت فوت ہونے تک مسافر تھا یا آخر وقت بھی مسافر تھا، تو صرف دو رکعت ہی قضا کرے۔ پھر اس جواب میں لگائی گئی قید "بطور ادائے فرض" کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:"بطور ادائے فرض کی قید اس لیے کہ خود فرض ادا کرنے کے بعد بطور نفل اقتدا کرے، تو چار کی قضا ہی لازم ہے، جس طرح بھی پڑھے۔ نیز اس جگہ مفتی صاحب نے یہ قید بھی لگائی کہ:"اس کے وقت فوت ہونے تک مسافر تھا یا آخر وقت بھی مسافر تھا" یہ قید اس لئے لگائی، کیونکہ دو پڑھنے کا حکم صرف مسافر کے لیے ہی ہے، لیکن اگر وہ اس نماز کو دوبارہ پڑھنے سے پہلے پہلے مقیم ہو گیا، تو اب وہ اس وقتی نماز کو پورا یعنی چار ہی پڑھے گا۔[14]

(5) سائل کی قائم کردہ فاسد علت پر کلام اور دوسری نظیر سے وہی حکم بیان کرنا

عموماً سائل کسی خاص علت کو اپنے ذہن میں رکھ کر ایک مسئلہ کا حکم ثابت کرتا ہے، حالانکہ وہ علت درست نہیں ہوتی، جس کی وجہ سے حکم بھی غلط ہی ہوتا ہے، فتاوی نوریہ کے بعض فتاوی میں ایسا ہی سوال ہوا، تو مفتی صاحب نے پہلے تو اس علت کو خارج فرمایا کہ اس مسئلہ میں یہ علت درست ہی نہیں ہے اور صحیح حکم بیان فرمایا اور پھر اس علت کو باقی رکھ کر اس علت کو کسی دوسری نظیر پر بھی منطبق کر کے وہی اپنا پہلا صحیح حکم بیان فرمایا، تاکہ سائل کے ذہن سے یہ علت نکل جائے۔

مثال:

فتاوی نوریہ میں سائل نے سوال کیا کہ جنازہ کے لیے جو وضو کیا ہو، کیا اس سے نماز فرض ادا کر سکتے ہیں یا نہیں؟ تو سائل نے جس علت (نیت) کی بنیاد پر سوال قائم کیا تھا، اس کی قائم کردہ علت کو خارج کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:"ہمارے مذہب مہذب حنفی میں وضو کے لیے نیت شرط نہیں، تو وضو بلا نیت ہی ہو جاتا ہے اور نماز جنازہ کی نیت تو ہے ہی نماز کی نیت، تو بطریق اولیٰ جائز ہو گا اور جب وضو ہو جائے، تو اس سے سب نمازیں فرض، واجب اور سنت و نفل ادا ہو سکتی ہیں۔"

---

[14] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ603، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

پھر اس کی علت کو قائم رکھتے ہوئے وہی حکم دوسری نظیر تیمم سے بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "بلکہ تیمم جس میں نیت شرط ہے، وہ بھی اگر نیت نماز جنازہ سے کیا جائے، تو اس سے بھی ہر فرض نماز بلا خلاف جائز ہے۔"[15]

(6) عقلی توجیہ کے ساتھ جواب دینا:

ویسے تو مسلمان کی یہ شان ہے کہ وہ قرآن وحدیث کی روشنی میں لکھا گیا فتوی دیکھ کر اسے تسلیم کرے، لیکن اگر اسے عقلی توجیہ کے ساتھ جواب مل جائے، تو نہ صرف اسے عمل کرنے میں آسانی ہوتی ہے، بلکہ اس کا دل بھی اس شرعی حکم پر مطمئن ہو جاتا ہے، چنانچہ مفتی صاحب کے پاس اگر کوئی ایسا سوال آئے، جس میں کسی نے کوئی غلط فتوی دیا ہو یا کسی نے غلط تاویل و علت کی بنیاد پر کوئی حکم جاری کیا ہو، تو ایسے موقع پر سائل کو عقلی توجیہات کے ذریعے بھی مطمئن کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔

مثال:

مسجد کی ایسی چیز جو مسجد کی رقم سے ہی خریدی گئی ہو اور اب اگر مسجد کو اس کی بالکل حاجت نہ رہے اور وہ دوبارہ استعمال بھی نہ ہو سکے اور یونہی پڑی رہنے سے ضائع ہو جانے کا اندیشہ ہو، تو پھر اس خاص صورت میں مال کو ضائع ہونے سے بچانے کے لیے وہ چیز بیچ کر اس کی رقم مسجد میں خرچ کرنے کی اجازت ہوتی ہے، چنانچہ ایسی ہی ایک صورت کہ جس میں نئی تعمیر کے لیے مسجد کو شہید کیا گیا اور اس مسجد کی اینٹیں کہ جو مسجد کے لیے قابل استعمال نہیں تھیں اور پڑی رہنے سے ان کے ضائع ہونے کا اندیشہ تھا، ان کو بیچ کر ان کی رقم کو اسی مسجد میں خرچ کرنے کے بارے میں سوال ہوا، جس پر سائل کو یہ اشکال تھا کہ شاید ان ناقابل استعمال اینٹوں کو بیچنا گویا مسجد کا مال فروخت کر کے اسے ختم کرنا ہے، تو اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "ایسی صورت میں جائز ہے، کیونکہ پختہ بنانے کی صورت میں بعینہٖ وہ سامان تو مسجد پر صرف نہیں ہو سکتا اور یونہی رکھا جائے، تو ضرور ضائع ہو جائے گا، حالانکہ مال کا ضائع کرنا، ناجائز ہے۔۔۔ اور جبکہ فروخت شدہ اشیاء کی قیمت اسی مسجد پر صَرف کی جائے گی، تو یہ حکماً ان اشیاء کا ہی

---

[15] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ114تا115، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

صرف کرنا ہے (یعنی اس کی رقم کو یہاں خرچ کرنا گویا وہی مال خرچ کرنا ہے)، کیونکہ بدل، مبدل عنہ کا عوض ہوتا ہے، لہٰذا ہمارے فقہائے کرام نے (اس خاص صورت میں) اجازت فرمائی۔"[16]

(7) سوال کی تمام ممکنہ صورتیں بیان کر کے اس کی ہر شق کا جواب دینا:

سائل کا سوال اس کے ناقص علم کے مطابق ہوتا ہے اور اکثر سائلین سوال ناقص لکھتے ہیں، جس کی وجہ یا تو کم علمی ہوتی ہے یا سائل بعض شقوں کو اس لیے بیان نہیں کرتا، کہ اس شق کو بیان کرنا وہ ضروری نہیں سمجھتا، لیکن در حقیقت سوال کے جواب کے لیے اسے بیان کرنا ضروری ہوتا ہے، صاحب فتاوی نوریہ کی یہ عادت ہے کہ اگر سائل مجمل سوال لکھے یا کسی ضروری شق کو چھوڑ دے، تو وہ خود ان تمام ممکنہ شقوں کو بیان کر کے ان تمام شقوں کا ایک ہی ساتھ یا الگ الگ حکم بیان کر دیتے ہیں۔

مثالیں:

(1) فتاوی نوریہ میں سوال کیا گیا کہ نماز جنازہ کے وضو سے فرض نماز جائز ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "نماز جنازہ کے وضو سے مراد وہ وضو ہے، جو بنیت نماز جنازہ کیا گیا یا وہ ہے جس کے ساتھ نماز جنازہ ادا کی گئی، سائل نے یہ تفصیل نہیں کی، مگر شرعا ہر طرح اس وضو سے دوسری نمازیں نفلی و فرضی جائز ہیں، پہلی صورت میں اس لیے کہ وضو میں نیت سرے سے شرط ہی نہیں، تو اگر نماز جنازہ کی نیت سے بھی نہ ہوتا، تب بھی اس سے سب نمازیں جائز ہوتیں۔۔۔ اور دوسری صورت میں یوں کہ وضو کے توڑنے والا صرف حدث ہی ہے اور نماز جنازہ کو کسی آیت یا حدیث سے امام قدیم و حدیث نے حدث قرار نہیں دیا۔"[17]

(2) فتاوی نوریہ میں سوال کیا گیا کہ روزے کے درمیان کوئی مسلمان آدمی فوت ہو جائے، تو اس کا جنازہ کس طرح ہے؟ تو اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: "دوسرے اہل اسلام ہی کی طرح ہے، سائل نے اس سوال میں

---

[16] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 147، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[17] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 115 تا 116، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

بھی تفصیل نہیں کی کہ روزہ کی حالت میں فوت ہونا کس طرح ہے؟ آیا وفات کا سبب روزہ ہے یا کوئی اور مرض؟ یا عرض جیسے عموماً امراض وغیرہ سے بلا حالت صیام بھی موتیں واقع ہوتی رہتی ہیں اور روزہ کی سببیت کی بھی کئی صورتیں ہیں، مثلاً بیماری میں روزہ رکھا یا روزہ پر بیماری یا سخت بھوک یا پیاس طاری ہوگئی اور کوئی دوا غذا یا پانی میسر نہ ہو سکا؟ یا میسر ہو مگر اس گمان پر استعمال نہ کیا کہ روزہ پورا ہو جاتا ہے، تکلیفیں ہوا ہی کرتی ہیں اور قابل برداشت سمجھتا رہا کہ موت آگئی اور ایسے ہی سفر یا ان صورتوں میں اچانک غشی طاری ہوگئی، کچھ سوچ ہی نہ سکا یا کسی ظالم نے مقیم تندرست کو مجبور کیا کہ ماہ رمضان شریف کا روزہ نہ رکھے یا توڑ دے، ورنہ قتل کردوں گا اور اس نے صبر کیا اور ظالم نے قتل کردیا، تو ایسی سب صورتوں میں وہ جنتی ہے، کیونکہ اچھے کام روزہ پر اس کا خاتمہ ہوا۔"[18]

(8) مسئلہ کی نظائر کے ذریعے جواب دینا:

فتاوی کا عمومی طریقہ جواب کے بعد دلائل کو نقل کرنا ہوتا ہے، جو نفس جواب کے مطابق ہوں، لیکن اگر صریح دلائل موجود نہ ہوں، تو پھر ان جیسے مسائل کی نظیر کو سامنے رکھ کر جواب دیا جاتا ہے، لیکن ویسے تو مفتی صاحب کی یہ عادت ہے کہ وہ اپنے فتوے کے جواب کے بعد قرآنی آیات و احادیث کے ساتھ صریح جزئیات کا التزام کرتے ہیں، لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوتا ہے کہ مذکورہ تمام دلائل ذکر کرنے کے بعد سائل کی تشفی کے لیے یا اس کے اعتراضات کو دور کرنے کے لیے دلائل کے بعد مزید نظائر بھی پیش فرماتے ہیں تاکہ سائل اس جواب سے مکمل مطمئن ہو جائے۔ اس طرز جواب کو مفتی صاحب نے کئی جگہ اپنایا ہے اور دلائل ذکر کرنے کے بعد مسئلہ کی متعدد نظائر کو بھی بیان فرماتے ہیں۔

مثال:

فرماتے ہیں: "بہر حال داخل مسجد جو نماز بھی پہلے پڑھے، اس سے تحیۃ المسجد ادا ہو جاتی ہے، نیت کرے یا نہ کرے، مگر ظاہر یہ ہے کہ تحیۃ المسجد کی ادائیگی کا ثواب نیت پر موقوف ہے۔۔۔ رہا یہ سوال کہ تحیۃ المسجد صلوۃ

---

[18] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 115 تا 117، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

مسنونہ ہے، تو ادائے فرض سے کس طرح ادا ہو گی؟ تو اس کی وجہ بیان ہو چکی اور اس کی کئی **نظیریں** ہیں کہ سنت فرض کے ساتھ ادا ہو جاتی ہے، زید بھوک سے جان بلب تھا اور سحری کے وقت اسے کھانا ملا، حفظ جان کے لیے یہ کھانا اس پر فرض ہے اور سحری سنت ہے، تو اگر دونوں کی نیت کرلے، تو فرض کے ساتھ سنت بھی ادا ہو جائے گی، الی غیر ذلک من نظائر۔"[19]

(9) الزامی جواب دینا:

کسی بھی معترض کے اعتراض کے جواب دینے کے مختلف طریقے ہوتے ہیں، جیسے اس کے مقابل اپنے دلائل ذکر کرنا یا اس کے دلائل کو کمزور ثابت کرنا وغیرہ، لیکن ایک طریقہ الزامی جواب کا بھی ہے کہ جس میں مخاطب کے مسلمہ اصولوں کو مد نظر رکھا جاتا ہے اور اس کو اسی کے طرزِ بیان، اندازِ گفتگو، قرائن تکلم سے جواب پیش کیا جاتا ہے کہ معلوم ہو جائے کہ متکلم کے اصول کو حقیقت سے کچھ بھی دخل نہیں، اس طریقہ کار سے محض مخاطب کو اس کے مسلّمات سے الزام دینا مقصود ہوتا ہے، یہ طریقہ جواب علماء ہمیشہ سے استعمال کرتے رہے ہیں اور صاحب فتاوی نوریہ سے بھی جب کوئی مسئلہ پوچھا جاتا اور بالخصوص ایسا کہ جس میں کسی نے کوئی اعتراض کیا ہو، تو وہاں اپنا جواب مع الدلائل ذکر کرنے کے بعد اس کے دلائل کا رد کرتے ہیں اور پھر الزامی جواب کے ذریعے بھی اتمام حجت کرتے ہیں۔

مثال:

سوال کیا گیا کہ اگر امام الحمد کے بعد سورت ملانا بھول جائے، تو کیا نماز ہو جائے گی یا نہیں؟ ایک مولوی صاحب کہتے ہیں کہ نماز نہیں ہو گی، کیونکہ فرضِ قراءت کو ترک کر دیا ہے اور الحمد کے پڑھنے سے فرض ادا نہیں ہو گا، کیونکہ الحمد احناف کے نزدیک واجبات سے ہے؟ مفتی صاحب نے سب سے پہلے تو مسئلہ کا جواب ارشاد فرمایا کہ مذہب حنفی میں سہواً سورت (فاتحہ یا اس کے بعد پڑھی جانے والی سورت) یا آیتوں کے چھوڑنے کی صورت میں نماز جائز ہو گی، البتہ سجدہ سہو واجب ہو گا کہ ترک واجب پایا گیا، باقی مولوی صاحب کا فرمانا کہ فرضِ قراءت ادا نہ ہوا، یہ

---

[19] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ578، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

ان کی غلط فہمی ہے، فرض قراءت صرف کسی ایک آیت کا پڑھنا ہے، جو فاتحہ شریف کی آیت ہو یا کسی دوسری سورت کی۔ رہا ان کا یہ کہنا کہ الحمد شریف کا پڑھنا واجب ہے، تو یہ دلیلِ عدم ادائیگی فرض نہیں، بلکہ اس واجب کے ضمن میں فرض ادا ہو جائے گا کہ **مطلق** آیت کا اطلاق یقیناً سب کو شامل ہے، پھر اس کا **الزامی جواب** دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:"ورنہ اگر فاتحہ شریف کے ساتھ سورت بھی ملا کر پڑھے تو مولوی صاحب کی دلیل سے پھر بھی یہی ثابت ہو گا کہ نماز نہ ہوئی کہ ہمارے مذہب میں سورت کا پڑھنا بھی واجب ہی ہے، حالانکہ اس صورت میں مولوی صاحب بھی ضرور جائز ہی کہتے ہوں گے، ورنہ جوازِ نماز کی ایسی صورت ذکر فرمائیں کہ فاتحہ اور سورت واجبہ پڑھنے کے ساتھ فرض قراءت علیحدہ ادا ہو۔"[20]

(10) مختلف اقوال میں تطبیق دینا اور تعارضِ کلماتِ فقہاء کو ختم کرنا:

کسی بھی فقیہ کے لیے یہ بہت اہم ہے کہ وہ اقوال ائمہ پر گہری نظر رکھنے والا ہو، لیکن اس کے ساتھ ساتھ یہ بہت ضروری ہوتا ہے کہ اگر اس کے سامنے فقہاء کے مختلف اقوال رکھے جائیں اور ان میں بظاہر تضاد نظر آ رہا ہو، تو وہ حکمِ مسئلہ کو اس انداز میں بیان کرے اور ان سب اقوال میں ایسی توجیہ کرے کہ ان میں اختلاف ختم ہو جائے اور ان سب میں تطبیق ہو جائے اور وہ حکم تمام صورتوں پر منطبق ہو جائے اور اس کام کے لیے تبحر علمی اور فقہ میں مہارت تامہ اور وسعت نظری ہونا بہت ضروری ہے، فتاوی نوریہ میں جہاں مفتی صاحب مختلف اقوال کو بیان فرماتے ہیں اور اس پر مختلف طرح سے کلام فرماتے ہیں اور ان اقوال میں کچھ فرق ہونے کی وجہ سے بظاہر یہ اقوال متعارض نظر آتے ہیں اور ان میں تطبیق نہیں ہو پاتی اور اس کا ظاہر یہ ہوتا ہے کہ ان اقوال میں تضاد ہے، لیکن اس موقع پر مفتی صاحب علیہ الرحمۃ اس انداز میں حکم شرع بیان کرتے ہیں کہ وہ ان تمام صورتوں کو مشتمل ہو جاتا ہے کہ نفس مسئلہ اور حکم بالکل واضح ہو جاتا ہے اور ان اقوال کا ظاہری اختلاف ختم ہو جاتا ہے اور اس طرح مفتی صاحب مختلف اقوالِ فقہاء میں تطبیق دیتے ہیں اور کلماتِ فقہاء میں پیدا ہونے والے تعارض کو ختم کرتے ہیں۔

---

[20](فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ588، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

مثال:

مسجد کے بعض حصے کو نئی تعمیر کے دوران عین مسجد سے خارج کر دینے کے بارے میں سوال ہوا کہ ایک مولوی صاحب نے جواز کا فتوی دیا ہے کہ مسجد کے بعض حصے کو خارج کر دینا جائز ہے اور اس پر یہ دلیل بیان کی تھی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو جگہ پہلے مسجد تھی اس کو ضرورت کے وقت گزر گاہ بنانا، جائز ہے، تو مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کے دلائل کا رد لکھنے اور اس عبارت کا محمل بیان کرنے کے بعد **کلماتِ فقہاء میں بظاہر تعارض کو رفع** کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "علامہ علیہ الرحمۃ نے جو یہ معنی بیان فرمایا اس صورت میں متعارض عبارتیں موافق ہو جائیں گی اور حتی الامکان تعارض کی صورت میں توفیق ہی کی جاتی ہے، لہذا یہ صورت بہتر ہوئی، عبارات متعارضہ کا توافق یوں ہوگا کہ جن عبارتوں میں یہ آتا ہے کہ مسجد کو طریق بنانا، جائز نہیں اور بے شک یہ صحیح ہے اور عبارتیں بکثرت موجود ہیں اور مولوی صاحب نے ان کو خود غرضی سے پس پشت ڈال دیا۔۔ ان عبارتوں میں عدم جواز کو ترجیح دی گئی اور دوسری عبارتیں ان کے مقابل ہیں، جن میں جواز ہے، جیسے "کعکسہ" وغیرہ، تو ان میں بظاہر تعارض ہے، مگر اس دوسرے معنی کی صورت میں **تعارض اٹھ گیا** کہ جن عبارتوں میں عدم جواز ہے ان میں مسجد سے مراد حقیقۃ مسجد ہے اور جن میں جواز ہے ان میں مسجد سے مراد صحن مسجد ہے، **تو اب تعارض نہ رہا**، لہذا یہی معنی راجح ہے۔"[21]

(11) مختلف اقوال میں ترجیح اور وجوہِ ترجیح کا بیان:

جس طرح پہلے بھی بیان کیا گیا کہ کسی بھی فقیہ کے لیے یہ بہت اہم ہے کہ وہ اقوال ائمہ پر گہری نظر رکھنے والا ہو اور اگر اس کے سامنے فقہاء کے مختلف اقوال رکھے جائیں، تو وہ ان میں تطبیق دے سکے اور اگر ان اقوال میں تطبیق دینا ممکن نہ ہو، تو پھر ان میں سے کسی قول کو بقیہ پر ترجیح دی جاتی ہے اور مختلف اقوال میں ترجیح معلوم کرنا بعض اوقات تو بہت آسان ہوتا ہے، لیکن بعض اوقات بہت مشکل ہوتا ہے اور دونوں صورتوں میں قول راجح کا جاننا

---

[21] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ178، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

بہر حال ضروری ہے۔ مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کی فقاہت اور تبحر علمی کہ انہوں نے اس دشوار ترین مرحلے کو بھی بڑی کامیابی سے سر کیا ہے کہ اپنے فتاوی میں مختلف اقوال میں راجح کو بہت محنت سے واضح کر کے بیان کیا ہے اور بعض مقامات پر اس ترجیح کی متعدد وجوہات بھی بیان فرمائی ہیں۔

مثال:

(1) سوال ہوا کہ ایک گاؤں کی خام مسجد شہید کر کے پختہ تیار کی گئی اور پہلی مسجد کے صحن کا حصہ، جو مسجد میں داخل تھا اور اس میں نماز باجماعت پڑھی جاتی تھی، اس کے بعض حصے کو مسجد سے خارج کر دیا گیا، ایسا کرنا کیسا؟ تو فتویٰ کے جواب میں فقہ حنفی کے متعدد جزئیات کو بیان کرنے کے بعد ان میں ترجیح دیتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ نصوص مذکورہ سے بین طور پر واضح ہوا کہ تابیدِ مسجد کا قول ہی راجح و قوی ہے۔[22]

(2) پھر اسی موقع پر اس ترجیح کی متعدد وجوہات کو بیان فرمایا کہ

(1) یہ قول امام الائمہ امام ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا قول ہے۔

(2) یہ امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول بھی ہے۔

(3) اس قول میں شیخین علیہما الرحمۃ کا اجتماع ہے، لہٰذا زیادہ اولی و احق بالاخذ ہوا۔

(4) اس قول کو ان الفاظ سے ترجیح دی گئی ہے جو علاماتِ افتاء سے ہیں۔[23]

(12) متعدد اقوال کو بیان کرنے پر الفاظِ فتوی سے مفتٰی بہ کی نشاندہی کرنا:

قرآن و حدیث کی روشنی میں لکھا گیا فتوی قابل اعتماد ہی ہوتا ہے اور اس میں فقہ حنفی کے جزئیات کو سامنے رکھ کر فتوی لکھا جاتا ہے، لیکن اختلافِ فقہاء کی وجہ سے بعض اوقات دوسری رائے بھی موجود ہوتی ہے، اس لیے جواب میں اگر فقہی جزئیات کو بطور دلیل بیان کیا جائے، تو اس میں پیش کیے گئے جزئیات کا معتمد و مفتٰی بہ ہونا بھی

---

[22] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ167، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[23] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ167، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

ضروری ہوتا ہے۔ اگر فتاوی نوریہ میں کوئی اختلافی مسئلہ پوچھا گیا یا کسی فتوی کے جواب میں فتوی لکھا گیا، تو مفتی صاحب اس بات کا بھی التزام فرماتے ہیں کہ ان بیان کردہ جزئیات کی پختگی سائل کے ہاں ظاہر ہو اور جو فتوی پڑھے، اسے ان جزئیات سے اختلاف نہ ہو۔ جس کا ایک طریقہ تو یہ ہے کہ ان اقوال وجزئیات کی تقویت یا ان کا مفتیٰ بہ ہونا بیان کر دیا جائے، چنانچہ ایسے موقع پر مفتی صاحب الفاظِ فتوی کے ذریعے اپنے دلائل کی مضبوطی کو ظاہر کرنے کا بھی اہتمام کرتے اور ان اقوال میں سے مفتیٰ بہ قول کی نشاندہی بھی فرماتے ہیں۔

مثالیں:

(1) ایک سوال کے جواب میں فقہ حنفی کے متعدد جزئیات کو بیان کیا اور پھر ہر جزئیہ کو بیان کرنے کے بعد اس بات کا التزام کیا کہ اس کے مفتیٰ بہ ہونے کی تصریح کی جائے، چنانچہ آپ نے فرمایا کہ: "امام اعظم، امام ابو یوسف علیہما الرحمۃ کے نزدیک جو جگہ ایک بار مسجد بن جائے، پھر وہ مسجد ہی رہے گی اور ہمیشہ قیامت تک مسجد ہی ہے **اور اسی پر فتویٰ ہے۔**" (ملخصًا)

اور اس کے بعد بیان کیے گئے جزئیات میں بھی اسی بات کا انتظام کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ "مسجد تا قیام قیامت مسجد ہی رہتی ہے اور نہ ہی اس کا مال کسی اور مسجد کی طرف منتقل کرنا، جائز ہے **اور یہی فتوی ہے** اور یہی ازروئے دلیل زیادہ طاقتور ہے اور پھر اس کی تائید بحر الرائق کے ذریعے بھی بیان فرمائی (ملخصًا)۔"[24]

(2) ایک اور سوال کا جواب دینے کے بعد فرماتے ہیں: "اور یہاں قول ابی یوسف علیہ الرحمۃ مساوی قولِ ثالث، بلکہ قوی ہے کہ اس کے لیے لفظ "بہ یفتی" موجود ہے۔[25]

(13) کلماتِ فقہاء میں فقہاء کی مراد اور محل کی وضاحت کرنا:

ایک فقیہ اور مفتی کو کلماتِ فقہاء پر اتنی گرفت لازم ہے کہ وہ اسلاف فقہاء کی عبارات کو کماحقہ سمجھ سکے اور

---

[24] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ165تا166، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[25] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ203، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

اس سے صحیح استدلال کر سکے، بعض اوقات اسلاف فقہاء کی عبارات مختصر ہوتی ہیں، جن کی توضیح و تنقیح کی حاجت ہوتی ہے، اگر اسے کوئی عامی فرد پڑھے، تو اسے غلطی لگنے کا اندیشہ ہوتا ہے کہ ان فقہاء کے نزدیک بعض قیودات بدیہی ہوتی ہیں اور مسئلہ بیان کرتے ہوئے اس کو ذکر کرنا ضروری نہیں سمجھتے اور حکم بیان کر دیتے ہیں، مگر زمانہ گزرنے کی وجہ سے وہ بدیہی نہیں رہتی اور انہیں بیان کرنے کی حاجت ہوتی ہے یا بعض چیزیں وہ اپنی کتاب کے کسی اور حصے میں بیان کر چکے ہوتے ہیں جنہیں دہرانے کی وہ ضرورت محسوس نہیں کرتے، اس لیے صرف ایک مقام کو پڑھنے والا غلطی کر سکتا ہے اور مفتی چونکہ کثرتِ تتبع جزئیات کا ماہر ہوتا ہے، اس لیے وہ اپنے مطالعے کی وجہ سے کسی عبارت کو پڑھ کر مرادِ فقیہ کو سمجھ جاتا ہے، چنانچہ فتاوی نوریہ میں مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس سوال میں اگر کسی فقیہ کی عبارت پیش کی جاتی، تو اگر سائل غلط مراد سمجھ رہا ہوتا ہے، تو اسے اسی فقیہ کی کسی اور عبارت کے ذریعے یا دیگر فقہاء کی عبارات کی روشنی میں اس فقیہ کی عبارت کا حقیقی محل اور فقہاء کی مراد کو واضح فرماتے ہیں۔

مثال:

(1) مسئلہ یہ تھا کہ جس نے رمضان میں فرض عشاء جماعت کے ساتھ ادا نہیں کیے، تو وہ وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اس پر کسی مولوی صاحب نے کہا کہ شریک ہونا، ناجائز ہے اور بطور دلیل قہستانی کی ایک عبارت پیش کی، جس کے الفاظ یہ تھے کہ "اذا لم یصل الفرض معه لا یتبعه فی الوتر" اور اس عبارت کو علامہ شامی نے بھی نقل کیا تھا اور ان مولوی صاحب کا کہنا تھا کہ علامہ شامی نے بھی اس عبارت کی تائید کی ہے، چنانچہ پہلے مفتی صاحب نے علامہ شامی کے تائید کرنے کا انکار کیا اور پھر فرمایا کہ: "اگر بطریق تنزل سب سے چشم پوشی کرتے ہوئے دیکھا جائے، تب بھی صرف "لا" عدم جواز کی تصریح نہیں، کتب فقہیہ میں "لا" جیسے حرام و مکروہ تحریمی کے لیے آتا ہے، ایسے ہی مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کے لیے بھی بولا جاتا ہے، زیادہ دور جانے کی ضرورت نہیں، اسی صفحہ کے حاشیہ پر "ولا یصلی الوتر والتطوع بجماعة خارج رمضان" اس "لا" سے **صاحبِ درالمختار اور شامی حرام نہیں سمجھ رہے**، بلکہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ اس کو صرف خلافِ اولیٰ اور مکروہ تنزیہی قرار دیتے ہوئے جلد 1،

صفحہ 664 میں فرماتے ہیں: "وھو کالصریح فی انھا کراھة تنزیھة۔" تو قولِ قہستانی میں بھی یہ "لا" خلافِ اولیٰ کے لیے ہو سکتا ہے، تو یہ معنی نسبتاً قہستانی کے حق میں اولیٰ ہے۔"[26]

(2) یہی مسئلہ کہ جس نے رمضان میں فرض عشاء جماعت کے ساتھ ادا نہیں کیے، تو وہ وتر کی جماعت میں شریک ہو سکتا ہے یا نہیں؟ جو علماء یہ فرماتے ہیں کہ وہ شریک نہ ہو، ان کا مستدل علامہ شامی کی اوپر نقل کردہ ایک عبارت بھی ہے جس سے بظاہر یہی سمجھ آتا ہے کہ جس نے فرض جماعت کے ساتھ نہیں پڑھے، تو وہ وتر کی جماعت میں بھی شریک نہ ہو، چنانچہ اس عبارت کو ذکر کرتے ہوئے اس کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں:" شامی میں قہستانی سے اتنا آتا ہے:"اذا لم یصل الفرض معه لا یتبعه فی الوتر "یعنی جب فرض امام کے ساتھ نہ پڑھے، تو وتر بھی نہ پڑھے، مگر **خود شامی اس کا مطلب یہ بیان کرتے ہیں** کہ تراویح بھی نہ پڑھے، تو یہ حکم ہے اور اگر تراویح جماعت کے ساتھ پڑھ لے، تو پھر وتر پڑھنے میں کراہت نہیں، اگرچہ تراویح و وتر کا امام ایک نہ ہو۔[27]

(3) اوپر بیان کیے گئے مسئلے اور قہستانی کی عبارت کے بارے میں ہی کسی اور فتوی میں کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں:" پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ قہستانی میں عدم جواز یا کراہت تحریمی کی تصریح نہیں، بلکہ صرف "لا یتبعه" ہی ہے، حالانکہ ایسی عبارتیں فقہائے کرام کے کلام میں جائز، بلکہ مستحب شے تک بھی موجود ہیں، دیکھئے نماز میں فاتحہ شریف کے بعد سورت کے اول میں بسم اللہ شریف کا پڑھنا یقینا جائز بلکہ مستحب ہے، مگر فقہائے کرام کی عبارات میں "لا یسمی" اور "لا یاتی" آیا ہے، تو واضح ہوا کہ یہ عبارات عدم جواز یا کراہت کی نص نہیں۔[28]

(14) کلماتِ فقہاء پر ممکنہ سوال کی نشاندہی اور اس کی وضاحت کرنا:

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ بعض اوقات فقہاء کی عبارات مختصر ہوتی ہیں کہ ان میں کوئی ایسا ابہام ہوتا ہے،

---

[26] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ562، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[27] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ565، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[28] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ570، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

جس کی توضیح کی حاجت ہوتی ہے، جس کی متعدد وجوہات ہوتی ہیں کہ ان فقہاء کے نزدیک بعض قیودات بدیہی ہوتی ہیں یا بعض چیزیں وہ اپنی کتاب کے کسی اور حصے میں بیان کر چکے ہوتے ہیں، جنہیں دہرانے کی وہ ضرورت محسوس نہیں کرتے یا کسی بات کو بغیر علت کے بیان کرتے ہیں، جبکہ اسی سے ملتے جلتے مسئلے میں کوئی دوسرا حکم بیان کیا گیا ہوتا ہے اور پھر عام قاری سمجھ نہیں پاتا کہ دونوں جگہ ایک جیسا ہی مسئلہ ہے، مگر دونوں کا حکم جدا جدا لکھا گیا ہے، فتاوی نوریہ میں اگر کوئی ایسی عبارت پیش کی جائے کہ جس میں کوئی ایسا سوال قائم ہو سکتا ہو، تو مفتی صاحب ان کلماتِ فقہاء پر ہونے والے ممکنہ سوال کی خود نشاندہی کر کے اس کی وضاحت بھی پیش کر دیتے ہیں کہ اس عبارت سے کیا مراد ہے۔

مثال:

فتاوی نوریہ میں سوال کیا گیا کہ عینِ مسجد کہ جس میں نماز باجماعت پڑھی جاتی تھی، کے کسی حصے کو مسجد سے خارج کر دینے پر کسی مولوی صاحب نے جواز کا فتاوی دیا اور بطور دلیل قاضی خان کی یہ عبارت پیش کی کہ: "متولی المسجد إذا جعل المنزل الموقوف علی المسجد مسجدا وصلی الناس فیہ سنین ثم ترک الصلاۃ فیہ وأعید منزلا مستقلا جاز لأن المتولی وإن جعلہ مسجدا لا یصیر مسجدا" جس کا مفہوم یہ ہے کہ مسجد کے متولی نے مسجد پر وقف عمارت کو مسجد بنا دیا اور اس میں لوگوں نے دو سال تک نماز پڑھنے کے بعد وہاں پھر نماز پڑھنا ترک کر دی اور اسے دوبارہ اسی حالت (مسجد پر وقف عمارت) پر مستقلاً لوٹا دیا گیا تو یہ جائز ہے، کیونکہ متولی کے اسے مسجد بنانے سے وہ حصہ مسجد نہیں ہوا۔ چنانچہ مفتی صاحب اس عبارت کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "مولوی صاحب! متولی کے بنانے سے موقوف علیہ مسجد نہیں بنتی، تو اس میں نماز چھوڑ دینا اور دوبارہ منزل و مستقل بنا دینا، نہ ہمیں مضر اور نہ آپ کو مفید، ہاں اگر وہ منزل مسجد بن جاتی اور پھر دوبارہ منزل بنانی جائز ہوتی، تو آپ کو مفید ہو سکتی تھی، کیونکہ آپ کا مدعا مسجد کے ٹکڑے کو الگ کرنے کا جواز ہے، نہ غیر مسجد کو غیر مسجد بنانا۔ پھر قاضی خان کی مذکورہ عبارت کی وضاحت اور اس میں پیدا ہونے والے سوال کی نشاندہی اور اس کا جواب دیتے ہوئے

ارشاد فرماتے ہیں: ”اور یہ بھی بتلادوں کہ متولی کے بنانے سے کوئی منزل مسجد کیوں نہیں بنتی، شاید پھر ہی مولوی صاحب کے ذہن مبارک میں اس عبارت کا اصلی مفہوم آجائے۔ مولوی صاحب! مسجد وقف ہے اور وقف کے شرائط میں سے ایک شرط ملکِ واقف ہے۔۔۔ اور متولی جب کہ مالک نہیں، تو وقف نہیں کر سکتا، لہذا اس کے مسجد بنانے اور مسجد نام رکھنے سے منزل موقوف جو اس کی ملک میں نہیں، مسجد نہیں بن سکتی۔[29]

(15) سائل کی خاص انکاری صورت کو حدیث پاک کے ذریعے ثابت کرنا:

بعض اوقات سائل کسی مسئلہ کے بارے میں حکم شرعی پوچھنا چاہ رہا ہوتا ہے، تو اس کا بالدلائل جواب دے دیا جاتا ہے اور کبھی وہ کسی حکم شرعی کا انکار کر رہا ہوتا ہے، جسے قرآن وحدیث اور اقوال فقہاء کی روشنی میں ثابت کیا جاتا ہے، لیکن اگر سائل کسی خاص صورت کے بارے میں انکار کرے اور صحیح جواب کے ساتھ ساتھ اس کی وہی انکاری صورت کو حدیث پاک سے ثابت کر دیا جائے کہ جس خاص صورت کا وہ انکار کر رہا ہے اس کا وقوع اور ہمارا بیان کردہ حکم اس حدیث پاک میں موجود ہے اور وہ اسی طرح واقع ہوئی جس کا انکار کیا جا رہا ہے، تو اگرچہ جواب پر دیگر احادیث ذکر کرنا بھی مفید ہے، مگر خاص انکاری صورت کا وقوع حدیث سے ثابت کرنے سے جواب میں عمدگی اور خوبصورتی پیدا ہو جاتی ہے اور ایسے مواقع پر مفتی صاحب سائل کی انکاری صورت کو حدیث پاک سے ثابت کرتے ہیں۔

مثالیں:

(1) سائل نے کسی مولوی صاحب کے اس دعوے کو بیان کیا تھا کہ کسی بھی نماز کی ہر رکعت میں ایک سورت کا ختم کرنا ضروری ہے، تو خاص اس بات پر کہ سورت کو ختم کرنا ضروری نہیں ہے اس کو سنن بیہقی کی حدیث پاک سے بیان کیا، جس میں اس بات کی وضاحت موجود تھی کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سورہ بقرۃ کی چند آیتوں کی تلاوت کی اور پھر اگلی رکعت میں چند آیات کی تلاوت کی، یعنی سورت کو کسی بھی رکعت میں ختم نہیں

---

[29] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ182، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

فرمایا۔[30]

(2) سائل نے سوال کیا کہ حافظ صاحب نے تراویح کے دوران ایک آیت کا تکرار کیا، یعنی اس کو دوبار پڑھا ، تو اس پر کسی نے اعتراض کیا، کہ چونکہ آیت کا تکرار کیا ہے، اس لیے سجدہ سہو لازمی تھا، تو اس کا جواب دیتے ہوئے خاص اس صورت کو کہ کسی آیت کے تکرار کرنے سے سجدہ سہو لازم نہیں ہوتا، اس عمل کو حدیث پاک سے بیان فرمایا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک رات نماز پڑھی اور ایک ہی آیت کی بار بار تکرار کی۔[31]

(16) اپنی خاص صورت کو دورِ نبوی سے ثابت کرنا:

اپنے موقف پر قرآن و حدیث کی روشنی سے دلیل قائم کر دی جائے، تو جواب صحیح ہو جاتا ہے، مگر دیگر دلائل کے ساتھ ساتھ اگر سوال میں بیان کردہ صورت کو بعینہٖ دورِ نبوی کے کسی واقعے کے مطابق بیان کیا جائے کہ ایسا واقعہ اس دور میں بھی پیش آیا اور اس کا یہ حل یا فلاں جواب تھا یا یہ طریقہ اس دور میں بھی رائج تھا، تو اس کو بیان کرنے سے جواب میں نکھار اور خوبصورتی کے ساتھ ساتھ سائل بھی مکمل طور پر مطمئن ہو جاتا ہے، جہاں مفتی صاحب قرآن و حدیث سے دلائل کو اپنے فتوے میں نقل کرتے ہیں، وہیں اس چیز کا بھی لحاظ رکھتے ہیں کہ اگر ایسی کوئی صورت دورِ نبوی سے موجود ہو، تو اسے ذکر کرتے ہیں۔

مثال:

مسجد کے ساتھ ملحق مدرسہ بنانے اور اس میں طلباء کی رہائش کے متعلق سوال ہوا، تو خاص اس صورت کے بارے میں دورِ نبوی کے عمل کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "اراضی متعلقہ مسجد میں طلبہ کی رہائش کے لیے مکان بنانا بالتواتر ثابت ہے، اصحاب صفہ کا صفہ مسجد نبوی کی متعلقہ اراضی میں ہی تھا اور وہ تقریباً چار سو کی تعداد میں رہائش پذیر تھے، پھر آج تک بلا نکیر منکر، یہ سلسلہ بالتوارث جاری ہے کہ مسجد کے متعلقہ مکانات میں طلباء رہائش پذیر چلے

---

[30] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ530، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[31] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ538، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

آ رہے ہیں۔[32]

(17) سائل کی نشان زدہ غلطی کے علاوہ غلطی کی نشاندہی کرنا:

سائل کا سوال اس کے ناقص علم کے مطابق ہوتا ہے، جس کی وجہ سے اکثر سائلین سوال ناقص لکھتے ہیں، جس کی وجہ عموماً کم علمی ہوتی ہے یا سائل بعض غلطیوں کو بطور غلطی اس لیے بیان نہیں کرتا، کہ وہ اسے غلطی سمجھتا ہی نہیں ہوتا، لیکن درحقیقت وہ بھی غلطی ہوتی ہے، چنانچہ صاحب فتاوی نوریہ کی یہ عادت ہے کہ اگر سائل سوال میں کسی شرعی غلطی کے بارے میں پوچھے اور اس کی عبارت سے کسی دوسری غلطی کی طرف بھی اشارہ موجود ہو، تو وہاں مفتی صاحب اس غلطی کی نہ صرف نشاندہی کرتے ہوئے اسے بیان کرتے ہیں، بلکہ اس غلطی کا حکم بھی بیان کر دیتے ہیں۔

مثال:

سائل نے سوال کیا کہ امام مسجد نے عید الفطر کے روز صرف نماز عید کا خطبہ پڑھا اور نماز پڑھا دی، دوران نماز پہلی رکعت کے ساتھ تکبیر بھول گیا، لیکن سجدہ سہو کروادیا، آیا نماز مکمل ہو گی یا نہیں؟ تو پہلے سائل کی نشان زدہ غلطی کے مطابق جواب دیا کہ عید کی تکبیریں سہواً رہ جائیں تو سجدہ سہو سے کمی پوری اور نماز کامل ہو جاتی ہے پھر اس کے علاوہ ایک اور غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ عید کا خطبہ نماز کے بعد ہوتا ہے، سائل کے الفاظ سے پتہ چلتا ہے کہ خطبہ پہلے پڑھا گیا ہے، اگر پہلے پڑھا گیا ہے تو یہ سنت مستمرہ کے خلاف ہے۔[33]

(18) عدم جواز کی صورت میں ممکنہ شرعی حل کا بیان:

مفتی کا کام قرآن وحدیث وفقہ کے دلائل کی روشنی میں سوال کا جواب دینا ہے کہ یہ کام کرنا، جائز ہے اور یہ ناجائز ہے اور اگر کسی کام کے ناجائز ہونے کا فتوی دیا جائے اور اس میں عوام کثرت سے مبتلا ہو، تو مفتی کو چاہیے کہ وہ

---

[32] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ200، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[33] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ595، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

اس کام کا جائز حل بھی بتائے، تاکہ عوام اپنی خواہشِ نفس کی وجہ سے ناجائز کام میں مبتلا نہ ہو جائیں۔ فتاوی نوریہ میں جب مفتی صاحب سے کسی مسئلہ کے بارے میں پوچھا جائے اور اگر مفتی صاحب اس کام کے ناجائز ہونے کا فتوی دیتے ہیں، تو اگر اس کا کوئی جائز حل موجود ہو، تو اس کی نشاندہی ضرور کرتے ہیں تاکہ لوگ اس پر عمل کر کے گناہ سے بچ سکیں۔

مثال:

عیسائی کمپنی سے مسجد کے خرچ کے لیے امداد لینے سے متعلق سوال ہوا جس میں کسی عالم نے جواز کا فتوی دیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ مسجد کے لیے چندہ دینے میں شرط یہ ہے کہ دینے والے کی نیت قربت کی ہو اور نصاریٰ وغیرہ بھی مسجد وغیرہ پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں تو ان کی امداد سے مسجد تعمیر کرانا، جائز و درست ہے۔ اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور بطور دلیل شامی کی عبارت ذکر کی، جس میں نصاریٰ کے مسجدِ قدس (کہ جو ان کے نزدیک بھی متبرک مقام ہے) پر وقف کے جواز کو بیان کیا گیا تھا، تو آپ نے اس فتوی کا رد کرتے ہوئے پہلے ارشاد فرمایا کہ عام مساجد کو مسجدِ قدس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، علامہ شامی ہی تصریح فرماتے ہیں کہ (مسجد قدس کے علاوہ) دوسری مساجد پر خرچ کرنا صرف ہمارے نزدیک قربت ہے یعنی ان کے نزدیک قربت نہیں۔۔۔ تو ثابت ہوا کہ نصاریٰ ہر ایک مسجد پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام نہیں سمجھتے، تو ان کی اس امداد سے تعمیرِ مسجد کیوں کر درست ہو گی؟ پھر اس نازک دور میں (جب کہ عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں اور تبلیغی سرگرمیاں نقطہ ارتقاء پر پہنچ چکی ہیں) عوام اہل اسلام کو یہ کہنا کہ عیسائی ہماری مسجدوں پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں، عوام کے لیے کسی غلط فہمی کا باعث بھی بن سکتا ہے۔ پھر اس کے بعد اس مسئلہ کا **جائز حل** بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس کمپنی والے نصاریٰ اپنے مسلم ملازمین سے کیے گئے معاہدہ کی بنا پر ان کی ضروریات کے لیے روپیہ ان کے ملک میں کر دیں، تو وہ مسلمان اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنا روپیہ جانتے ہوئے تعمیرِ

مسجد پر خرچ کریں، تو درست ہے، جیسے کہ فقیر مالِ زکوۃ کے مالک بننے کے بعد تعمیر مسجد میں خرچ کر سکتا ہے۔[34]

(19) فن افتاء کے حوالے سے کلام کرنا:

مفتی کے لیے یہ اہم ہے کہ اسے فقہی مہارت کے ساتھ ساتھ اس بات کا بھی علم ہو کہ مستفتی کو کیسے مطمئن کیا جائے اور اس کے ساتھ ساتھ آداب فتوی کا بھی خیال رکھا جائے، جسے اصطلاح فقہاء میں رسم المفتی کا نام دیا جاتا ہے، یہ ایک اہم اور ضروری بات ہے کہ ہر مفتی کو اپنے زمانے کے حالات اور سائلین کے انداز کا علم ہو اور اس کے ساتھ ہی اس میں اس بات کی بھی اہلیت ہو کہ فتوی دینے میں کن کن باتوں کا خیال رکھنا ضروری ہے اور اس کے کیا اصول ہیں تاکہ اس کے فتوی کا غلط استعمال نہ ہو یا ان الفاظ کے ساتھ فتوی دیا جائے کہ اس پر کسی قسم کا کوئی اعتراض بھی نہ ہو سکے اور وہ فتوی ایسا ہو کہ فقہاء کے طرزِ بیان کے بھی برعکس نہ ہو، جس کے لیے رسم المفتی کے اصولوں کا لحاظ رکھنا بہت ضروری ہے اور اس کے ساتھ اس بات کا بھی علم کہ کس تصحیح و ترجیح کے لیے کن الفاظ کا چناؤ کیا جائے گا، چنانچہ فتاوی نوریہ کا مطالعہ کرنے سے صاحب فتاوی کی ایک منفرد عادت یہ بھی سامنے آتی ہے کہ جب وہ نصوص فقہیہ نقل کرتے ہیں، تو بالخصوص ایسے مقامات پر، جہاں وہ کسی کا محاکمہ کر رہے ہوں، تو وہ رسم المفتی اور فقہی اصطلاح میں راجح و مرجوح کے اعتبار سے اصطلاحات کا فرق اور فن افتاء کے حوالے سے بھی کلام کرتے ہیں۔

مثالیں:

(1) فتوی میں فن افتاء پر کلام کرتے ہوئے ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "پس اس کا خلاف مرجوح ہوا اور مرجوح کے ساتھ فتوی دینا جہل اور مخالفتِ اجماع ہے۔"[35]

(2) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: " اور یہ بھی مسلّم ہے کہ ما فی المتون ما فی الشروح پر مقدم ہوتا ہے اور ما فی الشروح مقدم ہوتا ہے ما فی الفتاوی پر۔"[36]

---

[34] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ188، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[35] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ203، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[36] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ257، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

(3) اسی بات کو ایک اور جگہ بیان فرماتے ہیں: "مسئلہ متون، مسئلہ شروح و فتاوی سے مقدم ہوتا ہے۔"[37]

(4) فن افتاء کے حوالے سے ہی کلام کرتے ہوئے ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "صرف "لا" عدم جواز کی تصریح نہیں، کتب فقہ میں "لا" جیسے حرام و مکروہ تحریمی کے لیے آتا ہے، ایسے ہی مکروہ تنزیہی اور خلاف اولیٰ کے لیے بھی بولا جاتا ہے۔[38]

(5) ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "ہندیہ اور در وغیرہ کا مضمرات سے نقل کرنا بھی صحیح نہیں بنا سکتا کہ غیر صحیح نقل کر دینے سے صحیح نہیں بن جاتا۔"[39]

(6) ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "تعجب ہے کہ امام کی موجودگی کی صورت میں تکبیر سے پہلے حاضرین کے لیے قیام عند الفلاح ہمارے ائمہ کرام کے نزدیک مستحب تو ہے، مگر مستحب کا خلاف، دلیل خاص کے بغیر مکروہ نہیں بن سکتا۔"[40]

(20) علاماتِ افتاء کی نشاندہی اور الفاظِ فتوی کے مراتب کو بیان کرنا:

جیسا کہ پہلے بھی بیان کیا گیا کہ مفتی کے لیے یہ بہت ضروری ہے کہ وہ آداب فتوی یعنی رسم المفتی کا خیال رکھے اور اقوال ائمہ پر گہری نظر رکھے اور فقہاء کے مختلف اقوال میں تطبیق دے سکے اور اگر ان اقوال میں تطبیق ممکن نہ ہو، تو پھر ان میں سے کسی قول کو بقیہ پر ترجیح دے، لیکن اس کے لیے مختلف اصطلاحات و علامات ہیں، جن کے ذریعے سے اس قول کی تصحیح و ترجیح کو بیان کیا جاتا ہے، چنانچہ صاحب فتاوی نوریہ جب رسم المفتی کے حوالے سے کلام کرتے ہیں یا کہیں کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں، تو وہاں علاماتِ افتاء کو بھی بیان کرتے چلے جاتے ہیں، لیکن بسا اوقات کتب فقہ میں متعدد اقوال کو ذکر کیا گیا ہوتا ہے اور پھر ان کی تصحیح بھی بیان کی گئی ہوتی ہے، تو وہاں پر مفتی کے لیے لازم ہے کہ

---

[37] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ560، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[38] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ562، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[39] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ303، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[40] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ303، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

وہ الفاظ فتوی میں سے زیادہ پختہ الفاظ سے دی گئی ترجیح والے قول کو لے لے، چنانچہ صاحب فتاوی نوریہ جب رسم المفتی کے قواعد کی روشنی میں اس طرح سے کسی قول کو ترجیح دیتے ہیں، تو وہاں ان الفاظ کے مراتب کو بھی بیان کر دیتے ہیں کہ فلاں لفظ فلاں سے زیادہ پختہ ہے۔

مثالیں:

(1) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "صغیری، کبیری میں جوازِ شمولیت کی صریح تصحیح ہے، جو علاماتِ افتاء سے ہے۔"[41]

(2) ایک سوال کا جواب دینے کے بعد جب اس میں متعدد اقوال کو بیان کیا، تو آخر میں یہ ارشاد فرمایا کہ اس قول کو ان الفاظ سے ترجیح دی گئی ہے جو علامات ہیں اور پھر ان علاماتِ افتاء کو بیان فرمایا کہ: "اس قول کو ان الفاظ سے ترجیح دی گئی ہے جو علاماتِ افتاء سے ہیں: به يفتي ، وهو الاصح، وهو الفتوی، اكثر المشائخ عليه، وهو الاوجه، الفتوی۔"[42]

(3) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "اور یہ پُر ظاہر کہ لفظ "به يفتي" "الفتوى عليه" سے بہت تاکید والا ہے۔"[43]

(21) قواعد وضوابطِ فقہیہ کا بیان:

فقہی قواعد وضوابط فقہائے کرام نے قرآن وسنت، عرف وعادت، مصالح ومقاصد شریعت وغیرہ کو سامنے رکھ کر ترتیب دیئے ہیں اور فروعی احکام کو انہی قواعد وضوابط کی روشنی میں پرکھا اور جانچا جاتا ہے، بعض احکام ان قواعد وضوابط سے مستثنی ہوتے ہیں اور اکثر احکامات انہی پر متفرع ہوتے ہیں، ہمارے روزمرہ کے کئی مسائل میں بیان کردہ احکامات انہی کی روشنی میں بیان کیے گئے ہیں، لیکن ان قواعد وضوابط سے احکامات اخذ کرنا اور ان احکامات

---

[41] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ562، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[42] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ167، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[43] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ203، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

کو قواعد و ضوابط پر منطبق کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اس کے لیے فقہی بصیرت اور ذوقِ فقہ کے ساتھ ساتھ وسیع مطالعہ ضروری ہے، جس کے بغیر قواعد و ضوابط سے احکام کی تفریع کرنا ہی درست نہیں ہے اور اس کے بغیر بڑی فقہی غلطیوں کا اندیشہ ہے، چنانچہ جب مفتی صاحب سے کوئی سوال کیا جائے اور اس کی بنیاد قواعد و ضوابطِ فقہیہ پر ہو اور آپ نے اس سے استدلال کیا ہو، تو وہاں پر ان قواعد و ضوابط فقہیہ کو بیان بھی فرماتے ہیں۔

مثالیں:

(1) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "اصل اشیاء اباحت ہے، یعنی جب تک شرع مطہر سے کسی شے کی حرمت و کراہت ثابت نہ ہو، اسے حرام و مکروہ نہیں کہہ سکتے۔"[44]

(2) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "ترکِ استحسان مستلزمِ کراہت نہیں۔"[45]

(3) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "کامل مستحب کی نفی سے مطلق مستحب کی نفی نہیں ہوتی۔"[46]

(4) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "مستحب کا انتفاء مستلزمِ کراہت نہیں کہ مکروہ تنزیہی کے لیے بھی دلیل خاص کی ضرورت ہوتی ہے۔"[47]

(5) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "کتبِ مذہب میں مبین کہ ترکِ واجب یا خلافِ نہی ظنی ہی مکروہ تحریمی ہے۔"[48]

(6) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "مطلق اپنے اطلاق سے تمام افراد کا حکم ثابت کر دیتا ہے، بلا دلیل خاصِ تخصیص کوئی فرد مخصوص نہیں ہو سکتا۔"[49]

---

[44] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ304، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

[45] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ507، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

[46] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ509، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

[47] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ509، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

[48] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ526، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

[49] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ564، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

(7) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "کراہت تنزیہ بھی دلیل خاص کے بغیر ثابت نہیں ہوسکتی۔"[50]

(8) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "احادیثِ مذکورہ قولیہ کی یہ حدیث فعلی قطعاً نسخ نہیں کرسکتی کہ فعل رافعِ قول نہیں۔"[51]

(9) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "جس طرح جواز بدون اجازتِ شرع نہیں، اسی طرح منع بھی بدون منعِ شرعی نہیں۔"[52]

(22) قواعدِ فقہیہ کی توضیح:

قواعدِ فقہیہ سے احکامات کو اخذ کرنا اور ان احکامات کو قواعد و ضوابط پر منطبق کرنا، اگرچہ علماء کا کام ہے، مگر عوام الناس یا طلباء کے لیے بعض اوقات ان قواعد کی وضاحت اور تشریح کی بھی حاجت ہوتی ہے، فتاوی نوریہ میں جہاں مفتی صاحب علیہ الرحمۃ مختلف قواعدِ فقہیہ کو بیان کرتے اور ان سے استدلال کرتے ہیں، وہیں فقہاء کے بیان کردہ قواعد کی وضاحت بھی کرتے ہیں۔

مثالیں:

(1) مشہور قاعدہ: "اشیاء میں اصل اباحت ہے" کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "اشیاء میں اصل اباحت ہے **یعنی** جب تک دلائل شرعیہ سے کسی شے کی حرمت و ممانعت ثابت نہ ہو، حلال و جائز رہتی ہے، استعمال کرنے والے پر شرعاً کوئی گرفت نہیں کہ وہ معاف ہے۔"[53]

(2) مشہور قاعدہ: "اطلاق مطلق بمنزلہ نص ہے" کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "اطلاق مطلق بمنزلہ نص ہے" **یعنی** کسی عمل کو کسی قید سے مقید نہ کرنے کا یہ مطلب ہے کہ اس امر کی ادائیگی اس قید پر موقوف

---

[50] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ570، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[51] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ409، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[52] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ630، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[53] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ370، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

نہیں، اس کا ہونا نہ ہونا یکساں ہے، مثلاً کوئی کہے پانی پلاؤ اور یہ نہ کہے کہ پیالے میں، تو پیالے میں پلایا جائے یا گلاس یا کوزے میں، ہر طرح پلانا پایا گیا۔ حکمِ اقامت نماز بلا مصلّٰی زمین پر پڑھنے کی قید سے مطلق ہے، تو زمین پر پڑھی جائے یا نہ ہر طرح حکم ادا ہو جاتا ہے اور یوں ہی یہ قید بھی نہیں کہ اذان سن کر ہی نماز قائم کرو، تو اذان کے سننے پر نماز موقوف نہیں، بلکہ نمازی بہرہ یا دور ہو کہ اذان سن نہ سکے یا سرے سے ہو ہی نہ، تب بھی نماز کا ادا کرنا معتبر ہے، حتی کہ جماعت جمعہ میں بھی شامل ہو جائے تو فرض ادا ہو جائے گا۔[54]

(3) ایک مقام پر امام اہلسنت علیہ الرحمۃ کے بیان کردہ قاعدے کی وضاحت کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ”امام اہلسنت والجماعت رضی اللہ تعالی عنہ فرماتے ہیں: عموم و اطلاق سے استدلال زمانہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالی عنہم اجمعین سے آج تک علماء میں شائع وذائع، **یعنی** جب ایک بات کو شرع نے محمود فرمایا، تو جہاں اور جس وقت اور جس طرح واقع ہوگی، ہمیشہ محمود رہے گی تاوقتیکہ کسی صورت خاصہ کی ممانعت خاص شرع سے نہ آ جائے، مثلا: مطلق ذکر الہی کی خوبی قرآن و حدیث سے ثابت، تو جب کبھی، کہیں، کسی طور پر، خدا کی یاد کی جائے گی، بہتر ہی ہو گی۔“[55]

(23) مختلف فقہاء و مصنفین کتبِ فقہ پر کلام کرنا:

فقہائے احناف میں سے بعض کا مقام بعض سے زیادہ ہے، اسی لیے ان میں بعض مجتہد فی المذہب، مجتہد فی المسائل، اصحاب تخریج، اصحاب ترجیح اور اصحاب تمیز وغیرہ ہیں اور ان میں بھی بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے کہ ایک کا قول یا بحث دوسرے فقیہ کی بحث سے بہتر ہو سکتی ہے، چنانچہ ان فقہاء میں سے کسی کا قول لینے یا نہ لینے کے حوالے سے ان کی حیثیت کو جاننا بھی ضروری ہے، چنانچہ فتاوی نوریہ میں مفتی صاحب فن افتاء کے حوالے سے کلام کرتے ہوئے مختلف فقہاء یا فقہی کتب کے مصنفین پر بھی کلام فرماتے ہیں۔

---

[54] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ374، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[55] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ433، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

مثالیں:

(1) ایک فقیہ کے بارے میں کلام کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "حضرت ابن ہمام جیسے مجتہد حضرات کے متعلق فرمایا گیا ہے کہ ان کی ایسی ابحاث، جو منقول کے خلاف ہوں، معتبر نہیں۔"(56)

(2) ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "بیچارے قہستانی میں یہ تاب وتواں کہاں کہ ایسی تصریحات کے مقابلہ میں اس کی بات قابلِ التفات بنے؟"(57)

(3) ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "تو ایک شارح برجندی کا محض احتمالی قول تمام متون وشروح وفتاوی پر کیسے مقدم ہو سکتا ہے؟"(58)

(4) مزید ایک جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "قہستانی کی بات صغیری کبیری وغیرہما کی تصریح اور معتقدات مذہبیہ کے اطلاق پر راجح نہیں ہو سکتی۔"(59)

ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "زاہدی مصنف قنیہ معتزلی ہے اور قہستانی اس کا خوشہ چین ہے۔"(60)

(24) فقہی کتب کی حیثیت پر کلام کرنا:

فقہ حنفی کی ایسی بہت سی کتب ہیں کہ صرف انہی پر اعتماد کرتے ہوئے فتوی دینا درست نہیں ہے، ان میں قہستانی کی شرح نقایہ، علامہ حصکفی کی در مختار، ابن نجیم مصری کی الاشباہ والنظائر اور اس قسم کی دوسری بہت سی کتب ہیں، اسی طرح بعض کتابیں بعض پر فوقیت رکھتی ہیں، کہ سب سے پہلے درجہ متون کا ہے، پھر شروحات اور پھر فتاوی کا ہے، اسی طرح کتب فقہ میں اور بھی درجہ بندی ہے کہ ایک دوسرے پر فوقیت رکھتی ہیں، لہذا مفتی پر لازم ہے کہ وہ فتوی کے جواب کے لیے معتمد کتب کا حوالہ دے اور ان سے فتوی دیتے ہوئے ان کی حیثیت کے بارے میں جاننے

---

(56) (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ257، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

(57) (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ565، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

(58) (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ257، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

(59) (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ562، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

کی کوشش کرے، چنانچہ فتاوی نوریہ میں مفتی صاحب فقہی کتب کی حیثیت کے بارے میں بھی کلام فرماتے ہیں۔

مثالیں:

(1) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "پھر یہ بھی قابل غور ہے کہ اگر بالفرض جامع صغیر و جامع کبیر کی عبارتیں متعارض ہوں، تو ترجیح اسی کو ہے جو جامع کبیر میں ہے۔"[61]

(2) اسی طرح ایک اور جگہ ارشاد فرماتے ہیں: "اور قنیہ و قہستانی تو متون و شروح و فتاوی کے مقابلہ میں کیا آ سکتی ہیں، جبکہ وہ محض غیر معتبر اور ضعیف اور ساقط الاعتماد ہیں۔"[62]

(3) اسی طرح ایک اور مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "اور رد المحتار کے رسم المفتی جلد 1 میں شرح قہستانی کو غیر مستند قرار دیا ہے اور تصریح فرمائی کہ اس سے فتوی دینا جائز ہی نہیں، جب تک کہ منقول کا علم نہ ہو۔"[63]

(4) ایک اور جگہ فقہی کتاب کے بارے میں ارشاد فرماتے ہیں: "قہستانی سے فتوی دینا جائز ہی نہیں، جب تک کہ منقول عنہ کا علم نہ ہو۔"[64]

(25) اردو کتبِ فقہ کے مسائل کی تشریح کرنا:

اردو کتبِ فقہ شرعی مسائل سے بھری پڑی ہیں، لیکن چونکہ زبان کبھی ایک جیسی نہیں رہتی، بلکہ یہ وقت اور حالات کے ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے، جس کی وجہ سے بعض مسائل اگرچہ مادری زبان کی کتب میں موجود ہوں ،انہیں سمجھنا مشکل ہو جاتا ہے اور کبھی قاری مسئلہ کا حکم کوئی اور ہی سمجھ لیتا ہے، جس کی وجہ سے غلط مسئلہ اس کے ذہن میں بیٹھ جاتا ہے ، لیکن در حقیقت کتاب میں بیان کردہ مسئلہ کوئی اور ہوتا ہے، جبکہ سائل کچھ اور سمجھ لیتا ہے، جس کی اصلاح کی حاجت ہوتی ہے، چنانچہ فتاوی نوریہ میں بعض مقامات پر ایسا بھی ہوا ہے کہ کسی اردو فتاوی یا

---

[61] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ255، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[62] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ257، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[63] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ560، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[64] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ565، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

فقہی کتاب میں بیان کردہ کسی مسئلہ کے بارے میں سائل کو اشکال ہوتا ہے، تو وہاں پر مفتی صاحب اس مسئلہ کی وضاحت وتشریح بیان فرماتے ہیں۔

مثال:

بہار شریعت میں ایک مسئلہ بیان کیا گیا کہ: ''کپڑے میں اس طرح لپٹ جانا کہ ہاتھ بھی باہر نہ ہو، مکروہ تحریمی ہے، علاوہ نماز کے بھی بے ضرورت اس طرح کپڑے میں لپٹنا نہ چاہیے اور خطرہ کی جگہ سخت ممنوع ہے۔'' اس کی وضاحت کرتے ہوئے مفتی صاحب علیہ الرحمۃ ارشاد فرماتے ہیں: ''یہ مسئلہ در مختار اور فتاویٰ عالمگیری سے ہے اور ان دونوں میں بمع دیگر کتب معتبرہ اس طرح کپڑے پہننے کا عربی نام اشتمال الصماء یا صماء آیا ہے، حدیث متفق علیہ میں اس سے مطلقاً ممانعت آئی ہے۔۔۔ تو اس تفصیل سے معلوم ہوا کہ بہار شریت میں اس ''ہاتھ بھی باہر نہ ہو'' سے مراد یہ ہے کہ ہاتھ یوں چھپا ہو کہ جب باہر نکالنا چاہے، تو باہر نہ ہو سکے اور اس پر وہیں بہار شریعت میں بھی آخر میں ''نماز کے علاوہ بھی اس طرح لپٹنا نہ چاہیے اور خطرہ کی جگہ سخت ممنوع'' فرمانا صاف دلیل ہے کہ جب فورا نکل سکے، تو خطرہ میں سخت ممنوع ہونے کا کیا معنی؟ بہر حال اس وضاحت سے معلوم ہوا کہ ہاتھوں کا بعض صورتوں میں یوں چھپ جانا کہ جب نکالنا چاہے، فورا نکال سکے اس میں داخل نہیں، جیسے عموماً ہمارے یہاں کمبل اوڑھ کر بائیں جانب اٹھا کر شانے پر ڈالی جاتی ہے، اس میں بھی بوقت قیام ہاتھ چھپ جاتے ہیں، مگر بوقتِ ضرورت بلا تکلف نکل سکتے ہیں اور تکبیر تحریمہ تو نکال کر ہی کہی جاتی ہے، تو اس میں کوئی ممانعت نہیں۔''[65]

(26) فنِ حدیث، حکمِ حدیث اور کتبِ احادیث پر کلام:

فن حدیث ایک مکمل موضوع ہے، جس میں حدیث کے قبول وعدم قبول پر گفتگو کی جاتی ہے کہ وہ کون سے اصول ہیں، جن پر حدیث قبول یا رد کی جاتی ہے؟ اور ان قواعد میں کہاں نرمی اختیار کی جائے گی اور کہاں نہیں؟ اور اس کا دائرہ کار کیا ہے؟ اس لیے اس فن پر کئی کتب بھی لکھی گئی ہیں، کیونکہ یہ فن، حدیث کو پرکھنے کے لیے استعمال

---

[65] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ499تا500، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

ہوتا ہے، چنانچہ فتاوی نوریہ میں مفتی صاحب اگر کسی حدیث پر کلام کرتے ہیں، تو ساتھ ہی فن حدیث کے اصول و ضوابط کے حوالے سے بھی کچھ کلام فرماتے ہیں۔ اسی طرح کسی حدیث پاک کو نقل فرمائیں، تو اس حدیث کا مرتبہ یا اس کی تصحیح کو بھی نقل فرماتے ہیں۔ نیز جس طرح فقہ حنفی کی کتب میں بعض بعض پر فوقیت رکھتی ہیں، اسی طرح حدیث کی بھی بعض کتب بعض پر فوقیت رکھتی ہیں، جس کا معیار حدیث کا صحیح ہونا وغیرہ ہے اور بعض کتب میں موضوع یا ضعیف احادیث موجود ہیں، اس لیے مفتی پر یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ وہ جس کتاب سے حدیث نقل کر رہا ہے، اس کے بارے میں اور اس کے مصنف کے بارے میں اور اس میں درج کردہ ذخیرہ احادیث کے بارے میں معلومات رکھے، چنانچہ صاحب فتاوی نوریہ اپنے فتاوی میں دیگر چیزوں کے ساتھ ساتھ کتب حدیث کے تعارف و حیثیت کے طور پر بھی ان پر کلام فرماتے ہیں۔

مثالیں:

(1) ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "ایسے ہی نفی صحیح سے نفی حسن وضعیف نہیں ہوسکتی اور وہ بھی فضائل اعمال میں مقبول اور یونہی نفی مرفوع سے نفی موقوف نہیں ہوسکتی اور موقوف بھی حجت ہے۔"[66]

(2) مزید ایک مقام پر فرماتے ہیں: "بلکہ حدیث صحیح کی نفی صاف صاف بتاتی ہے کہ حدیث حسن یا ضعیف مرفوع یا موقوف صحیح ثابت ہے کہ مفہوم مخالف روایات میں ضرور بالضرور معتبر ہے۔"[67]

ایک مقام پر حدیث کی تصحیح نقل کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: "سنن ابن ماجہ، سنن بیہقی میں حضرت سعد مؤذن رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے بالفاظ متقاربہ ہے: " اذا خطب فی الجمعة خطب علی عصی " امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمۃ نے جامع صغیر جلد 2، صفحہ 280 میں اس حدیث کی تصحیح فرمائی۔"[68]

ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "کنز العمال کے اصل جمع الجوامع میں سیوطی علیہ الرحمۃ نے فرمایا کہ اس

[66] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 306، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[67] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 306، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[68] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 675، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

کتاب میں وہ حدیثیں جو ابن عساکر یا دیلمی کی مسند الفردوس سے ہیں، وہ سب ضعیف ہیں۔"[69]

(27) مسائل شرعیہ کی حیثیت کے بارے میں غلط فہمی کا ازالہ کرنا:

دینی ماحول سے وابستہ افراد میں دینی باتوں پر عمل کرنے کا جذبہ تو ہوتا ہے، مگر لاعلمی کی وجہ سے وہ کسی عمل میں غلو بھی کر دیتے ہیں، اس نیت سے کہ شاید اس کام سے ثواب ملے گا، مگر وہ کام مقتضائے شریعت کے خلاف ہوتا ہے، اسی طرح صاحب علم افراد میں بھی بعض کسی جائز امر کو احتیاط اور دیگر عوارض کی وجہ سے ناپسندیدہ سمجھتے ہیں، حالانکہ بعض اوقات یہ منشائے شرع کے خلاف ہوتا ہے، تو ایسے موقع پر مفتی صاحب مسائل شرعیہ کی حیثیت کے بارے میں موجود غلط فہمیوں کا ازالہ بھی ضرور کرتے ہیں، تاکہ لوگ احکام شرعیہ پر عمل بھی کر لیں اور اس کے متعلق پائی جانے والی غلط فہمیوں سے بھی بچ سکیں۔

مثال:

طہارت کے ایک مسئلے کا جواب دیتے ہوئے دینی احکام میں احتیاط کے نام پر شدت سے بچنے کے بارے میں ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "احتیاط اس میں نہیں کہ خواہ مخواہ شبہات پیدا کیے جائیں۔"[70]

(28) جواب لکھنے کے لیے کثیر کتب کی طرف مراجعت کرنا:

ویسے تو ہر مفتی کو یہ بات معلوم ہے کہ ایک آدھ کتاب دیکھ کر یا غیر واضح کتابوں سے فتویٰ دینا جائز نہیں، جیسا کہ علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے "شرح عقود رسم المفتی" میں بیان فرمایا ہے کہ: "ان فتووں کا کوئی اعتبار نہیں ہے، جو ہمارے زمانے کے اکثر مفتی صاحبان زمانہ مابعد میں لکھی ہوئی کتابوں میں سے کسی ایک کتاب کو دیکھ کر دے دیا کرتے ہیں، خاص طور پر غیر واضح کتابوں سے فتویٰ دینا درست نہیں ہے۔ مثلاً: قہستانی کی شرح نقایہ علامہ حصکفی کی در مختار، ابن نجیم مصری کی الاشباہ والنظائر اور اس قسم کی دوسری کتابیں، کیونکہ یہ کتابیں بہت زیادہ اختصار والی ہیں، نیز

---

[69] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ505، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[70] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ132، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

ان کتابوں میں بہت جگہ دوسری کتابوں سے عبارتیں نقل کرنے میں کچھ الفاظ چھوٹ گئے ہیں، پھر ان کتابوں میں غیر راجح اقوال کو ترجیح بھی دی گئی ہے، بلکہ دیگر مذاہب کے اقوال کو بھی ترجیح دی گئی ہے جن کا مذہب میں کوئی قائل نہیں ہے، لہذا مفتی پر لازم ہے کہ وہ فتوی کے جواب کے لیے کثیر کتب کو دیکھنے کے بعد ہی جواب دے، مفتی صاحب کے فتاوی کو پڑھنے والا ان کے حوالہ جات کی کثرت کو دیکھ کر اندازہ کر ہی سکتا ہے کہ آپ کتنی کتب سے مراجعت کے بعد فتوی لکھتے ہیں۔ اس میں کوئی دو رائے نہیں کہ آپ فتوی لکھتے وقت بیسوں کتب کی مراجعت کا اہتمام فرماتے ہیں۔

مثالیں:

(1) ایک استفتاء کے جواب میں ضمناً آپ نے خود تحریر فرمایا: "بفضلہ تعالیٰ مجھے التزام ہے کہ جب کوئی مسئلہ پیش آئے، تو متعدد معتمدات مذہب ضرور دیکھ لیا کرتا ہوں۔"[71]

(2) نماز کے بعد ہاتھ اٹھا کر دعا مانگنے پر کچھ لوگ اعتراض کرتے ہیں اور اس عمل کو ناجائز قرار دیتے ہیں، چنانچہ ایسے ہی پاکپتن کے ایک مولوی صاحب نے اس عمل کو ناجائز قرار دیا، تو حضرت مفتی صاحب نے ایک فتوی میں ان مولانا صاحب کا ایسا محاکمہ فرمایا کہ زیر بحث مسئلہ کا کوئی پہلو تشنہ نہ چھوڑا اور آپ نے کتب کے ذخیرہ سے جن کتب سے استدلال فرمایا وہ درج ذیل ہیں:

کتب احادیث: الادب المفرد، جامع الترمذی، مستدرک للحاکم، صحیح مسلم، سنن ابی داؤد، مسند احمد بن حنبل، سنن نسائی، کنز العمال، مسند سعید بن منصور، صحیح ابن حبان، شعب الایمان للبیہقی، مسند ابی یعلیٰ۔

شروحات حدیث: فتح الباری، شرح النووی۔ **کتب سیرت وفضائل:** مواہب اللدنیہ مع تقریر الزرقانی، حصن حصین، احیاء العلوم۔

مذکورہ کتب کی فہرست سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ مفتی صاحب کا تبحر علمی کیسا اور مطالعہ کس قدر عمیق تھا۔

---

[71] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 691، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

(29) دشمنانِ دین کا تعاقب اور مذہبی افراد کے تشخص کو بحال رکھنے کی سعی کرنا:

دشمنانِ دین کا شروع سے یہ شیوہ رہا ہے کہ وہ اسلامی تعلیمات یا شعائرِ اسلام اور دینی احکامات کو ناقص عقل کے ترازو میں تول کر اس پر لایعنی سوالات کرتے ہیں اور مختلف عبادات پر طبی اور سائنسی شگوفے بیان کرتے رہتے ہیں، جن میں سے بعض کا مقصد لوگوں کو دین سے دور کرنا اور ان کے ذہنوں میں اسلامی احکامات کے متعلق وسوسے پیدا کرنا ہوتا ہے، یہ غیر مسلم تو کرتے ہی ہیں، لیکن بد قسمتی سے مسلمان کہلانے والے افراد کہ جن کا نام تو مسلمانوں والا ہوتا ہے، مگر سوچ غیر مذہبی ہوتی ہے، وہ دینی مسائل پر ایسے بے تکے سوال اور افواہیں لوگوں میں پھیلاتے رہتے ہیں اور چونکہ مذہبی عقیدت و محبت رکھنے والے افراد علماء کے ذریعے ہی اپنے دین کو جانتے اور پہچانتے ہیں، اگر لوگوں کو علماء سے دور کر دیا جائے، تو لوگ دین سے بھی دور ہو جائیں گے۔ اسی بات کو سامنے رکھتے ہوئے ان دشمنان دین کا یہ شیوہ بھی رہا ہے کہ وہ دین اسلام کو مٹانے کے لیے دین کے ان محافظوں کی کردار کشی کرتے ہیں اور یہ تصورات عام کرتے ہیں کہ علماء قدامت پرست اور ہماری تنزلی کا سب سے بڑا سبب ہیں۔ بعض اوقات مفتیان کرام کے پاس جب سوالات آتے ہیں، تو کبھی سائل کے عدم علم کی وجہ سے اور کبھی سائل کا ذہن ہی ایسا ہوتا ہے کہ وہ علماء پر معترض ہو جاتا ہے اور کبھی براہ راست تو ان کے وقار پر حملہ نہیں کرتا، مگر اس میں علماء کی عزت کی کمی کا پہلو نمایاں یا پوشیدہ ہوتا ہے، ایسے موقع پر ایک مفتی کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ علماء کے تشخص کو بحال رکھے اور دشمنانِ دین کا تعاقب کرے، چنانچہ مفتی صاحب کے پاس آنے والے سوال میں اگر کوئی اس طرح کا پہلو موجود ہو، تو اس کی ضرور نشاندہی کرتے اور ان دشمنانِ دین کا تعاقب کرتے اور علماء کے وقار و تشخص کو نمایاں کرتے ہیں۔

مثالیں:

(1) روزے سے موت ہونے کے بارے میں ایک سوال کا جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا: "چونکہ دشمنان دین جو ہمیشہ علمائے کرام کو بدنام کرنے کی چالیں چلتے ہیں، سالانہ ماہ رمضان المبارک کی آمد پر ایسے من گھڑت افسانے مشہور کر دیا کرتے ہیں، جن سے سادہ لوح اہلیان اسلام کے سامنے قدرتی طور پر ایسے سوالات آجایا کرتے

ہیں۔"[72]

(2) ایک شخص نے امام اور دینی کام کرنے والے عالم دین کے متعلق سوال کیا کہ ان کو کوئی عطیہ دیا جا سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس کا جواب دینے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: "یہ مسئلہ بڑا واضح ہے، مگر افسوس کہ اس گئے گزرے زمانے میں لوگوں کی ذہنیت کچھ اس طرح کی ہو گئی ہے کہ دینی کام کرنے والے افراد کے متعلق بلاوجہ شکوک و شبہات پیدا کیے جاتے ہیں کیا دینی کام کرنا ایسا جرم ہے کہ جو عطیہ کسی عام مسلمان کو دیا جا سکتا ہے، وہ دینی کام کرنے والے کے لیے ناجائز ہو جائے، اللہ تعالیٰ ہدایت فرمائے۔"[73]

(3) ایک سائل نے مسجد کے امام صاحب کی رہائش کے متعلق سوال کیا، تو مفتی صاحب نے ارشاد فرمایا: "اسی مسجد کے امام صاحب کا رہائشی مکان بنا سکتے ہیں، کیونکہ تعمیر کے بعد ضروریات مسجد میں سے امام اول نمبر میں ہے، کیونکہ مسجد کی صرف ظاہری تعمیر کا کوئی اعتبار نہیں، جب تک کہ اس کی معنوی اور حقیقی تعمیر نہ ہو، حتی کہ مسجد کے لیے روشنی یا پانی وغیرہ کے وسیع تر انتظام سے امام کی ضروریات مقدم ہیں۔"[74]

(4) ایک عالم دین نے کم ریٹ پر حکومت سے جگہ خرید لی، تو اس کے بارے میں جواب دینے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: "اور حکومت مصیب ہے، بلکہ اصابت کا اعلیٰ درجہ تو یہ تھا کہ ایسے سنی سرگرم خادم اسلام کے لیے بلا معاوضہ انتظام کیا جاتا۔ شرع مطہر نے تو نیک کام کرنے والوں کو زکوۃ (جس میں تملیک شرط ہے) کا مستحق قرار دیا ہے۔"[75]

(5) ایک امام مسجد کی بیوی کے متعلق سوال کیا گیا جس میں سائل نے امام صاحب کے بیوی کے ساتھ کچھ ناانصافی والے معاملات کے بارے میں سوال کیا، تو اس کا جواب دینے کے بعد ارشاد فرماتے ہیں: "مگر یہ بھی دیکھنا

---

[72] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ119، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[73] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ185، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[74] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ184، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[75] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ192، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

چاہیئے کہ زیادتی خاوند کی ہے یا بیوی کی؟ یہ تو آج کل کے جاہلوں کا عام رواج بن گیا ہے کہ مولویوں پر بہانے بنا بنا کر اعتراض شروع کر دیتے ہیں۔"[76]

(30)سائل کا سوال سمجھ نہ آئے تو جواب نہ دینا:

سائل اپنے علم کے مطابق بعض اوقات سوال کو واضح انداز میں بیان نہیں کر پاتا، جس کی وجہ سے مسئلہ کا جواب دینے میں مشکل پیش آتی ہے اور کبھی وہ ایسی صورت بیان کر دیتا ہے، جسے مفتی نے پہلی بار سنا ہوتا ہے، ایسی صورت میں اگر اس سوال کی وضاحت نہ کی جائے، تو جواب میں غلطی بھی ہو سکتی ہے۔ چنانچہ مفتی صاحب سے جب کوئی ایسی صورت کے بارے میں دریافت کرے جسے سائل نے مکمل بیان نہ کیا ہو یا کسی بھی اعتبار سے سائل کا سوال سمجھ نہ آئے، تو محض اپنی طرف سے کوئی صورت بنا کر جواب دینے کے بجائے سائل سے تفصیل معلوم کرتے ہیں۔

مثال:

فتاوی نوریہ میں سوال کیا گیا کہ میت کو غسل کفن دینے کے بعد چارپائی اٹھا کر تین۔۔۔ منزل دیتے ہیں اس کا شرع میں کیا ثبوت ہے؟ تو اس کے ایک اور سوال کا جواب دینے کے بعد ارشاد فرمایا: "یہ دوسرے سوال کا جواب ہے اور پہلا سوال میں نہیں سمجھ سکا، یہاں ایسا کوئی رواج نہیں، تفصیل سے لکھا جائے، تو جواب دیا جا سکتا ہے، ان شاء اللہ۔"[77]

(31)زیادہ سوالات پر مختصر جوابات اور غیر ضروری سوالات پر مواخذہ کرنا:

سائل بعض اوقات ایک سے زیادہ سوال کرتا ہے اور کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ سوالات کی لسٹ لے کر آتا ہے اور ان سب کے تحریری جوابات اسے مطلوب ہوتے ہیں۔ اگر ایسی صورت حال ہو، تو صاحب فتاوی نوریہ ان تمام سوالات کا جواب تو دیتے ہیں، مگر اختصار کے ساتھ اور دلائل وغیرہ ذکر نہیں کرتے، تاکہ سائل کو اصل

---

[76](فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ322، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)
[77](فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ115، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

سوالات کے جوابات مل جائیں اور طوالت سے بھی بچا جاسکے اور کبھی سائل اپنی کم علمی کی وجہ سے ایسے سوالات بھی کر دیتا ہے، جن کی دینی یا دنیاوی کوئی ضرورت نہیں ہوتی۔ کبھی وہ انبیاء کے آباء واجداد کے ناموں یا مستقبل کے مفروضوں کے بارے میں سوال کرتا ہے یا حالیہ غیر اہم معاملات کے بارے میں پوچھتا ہے۔ اس موقع پر یہ ضروری ہے کہ ایسے سائلین کو اس طرح کے سوالات پر تنبیہ کی جائے۔ چنانچہ مفتی صاحب سے جب کوئی ایسا سوال کرے، تو سائل کے غیر اہم و غیر ضروری سوالات پر مواخذہ فرماتے ہوئے اس پر اسے تنبیہ بھی فرماتے ہیں۔

مثالیں:

(1) سائل کے ایک ساتھ سات سوالات پر ان کے جوابات دینے کے بعد ارشاد فرمایا: "استفتاء میں ایک ہی سوال ہو، تو باقاعدہ دلائل لکھے جاتے ہیں، مگر یہ سوالات کی فہرست ہے، لہذا مختصر لکھا گیا۔"[78]

(2) سوال ہوا کہ موجودہ رجسٹر نکاح کوئی مسلمان لے کر رجسٹراری کا کام کر سکتا ہے یا نہیں؟ تو اس پر ارشاد فرماتے ہیں: "اگر کوئی مسلمان یہ کام نہ کرے، تو کیا اہل اسلام کے نکاحوں کا رجسٹرار کوئی غیر مسلم مقرر کیا جائے؟ یہ عجیب سا سوال ہے۔"[79]

(32) سائل کو فکرِ آخرت دلانا:

رب کو راضی کرنا ہر مسلمان کی اولین ترجیح ہونی چاہیے، لیکن بعض اوقات سستی یا لاپرواہی کی وجہ سے سائل ایسا سوال کرتا ہے، جس میں دینی احکامات سے بھاگنا پایا جاتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح کوئی سہولت کا پہلو ہاتھ آ جائے، اگرچہ دیگر دینی مسائل کہ جن میں علماء نے لوگوں کی آسانی کے لیے قرآن و حدیث سے کچھ سہولت دی ہوتی ہے، اس پر بھی عمل نہیں کر رہے ہوتے، لیکن مفتی سے مسئلہ پوچھ کر اپنے دل کو تسلی دینا چاہ رہے ہوتے ہیں کہ یہ مشکل کام ہے اور سہولت نہیں ہے، لہذا اس پر عمل نہ کریں۔ ایسے موقع پر مفتی کو چاہیے کہ وہ ایسے سائل کو فکرِ

---

[78] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ125، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[79] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ360، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

آخرت دلائے۔ چنانچہ اگر ایسا کوئی سوال مفتی صاحب علیہ الرحمۃ سے پوچھا جائے، تو وہاں پر اللہ کے عذاب سے ڈراتے یا نیک اعمال کی ترغیب دیتے ہوئے سائل کو اللہ کی طرف رجوع کرنے اور آخرت کی فکر دلانے کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں۔

مثال:

سائل نے سوال کیا کہ مسافر موکدہ سنتیں ادا کر سکتا ہے یا نہیں؟ بعض لوگ ادا نہیں کرتے۔ تو اس کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”سفر میں ادائے سنن بلاشبہ جائز و مستحسن و مسنون ہے، اس پر جمہور علمائے کرام کا اتفاق اور ائمہ اربعہ عظام رضی اللہ عنہم کا اطباق ہے اور خود قرآن کریم اور احادیث شریفہ سے ثابت و مبرہن ہے۔۔۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں: ”بے شک قیامت کے دن بندے کے عملوں سے سب سے پہلے نماز کا حساب ہوگا، اگر صحیح نکلی، تو ضرور کامیاب ہوا اور نجات پائی اور اگر غلط نکلی، تو ضرور ناکامیاب ہوگا اور نامراد ہوگا ۔پس اگر فرائض میں کمی ہوئی تو اللہ تبارک و تعالیٰ فرمائے گا کہ نظر کرو کہ کیا میرے بندے کے پاس سنن و نوافل ہیں اور مکمل کیا جائے گا ان سے کمی والا عمل اس کا۔ پھر باقی عمل بھی اسی انداز پر ہوں گے۔ اس روایت کو ذکر کرکے سائل کو آخرت کی فکر دلاتے ہوئے ارشاد فرمایا: ”جانِ برادر! خدارا ایمان سے کہنا کہ کیا یہ ایک ہی دلیل ایسی نہیں کہ زندہ دل انسان کو سنتوں کا سفر و حضر میں پابند بنائے کہ اس سخت دن میں سخت نامرادی سے نجات پائے اور بارگاہ الٰہی میں عزت و آبرو حاصل کرے، چہ جائیکہ اس دلیل کے علاوہ دلائل کثیرہ موجود و مثبت ہیں اور جانب ترک میں دلیل حرمت و کراہت نہیں۔“[80]

(33) عشقِ رسول کا اظہار کرنا:

سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے محبت جزو ایمان ہے۔ صاحب فتاویٰ نوریہ کی ذات میں اور ان کے فتاویٰ کے مطالعہ سے یہ وصف بھی بالکل واضح نظر آتا ہے، عشق نبی نے آپ کو پختگی ایمان اور اتباع سنت و شریعت کی

---

[80] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ615، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

معراج پر پہنچا دیا تھا، سرکار کی شان میں ادنٰی سی گستاخی کرنے والا بھی آپ کے نزدیک واجب القتل تھا، چنانچہ اپنے فتاوی میں جہاں پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق ومحبت کے اظہار کا موقع ہو، تو وہاں پر اس کا بھرپور اظہار کرتے ہیں۔

مثال:

ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "شہنشاہ کون ومکاں حبیب رحمن محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کی شان پاک میں نازیبا الفاظ اور گالی بکنے والا انسان تمام مسلمانوں کے نزدیک کافر ہے اور کافر بھی ایسا سخت کہ جو اس کے کفر اور عذاب میں شک کرے، وہ بھی کافر ہو جاتا ہے اور اس کی سزا یہ ہے کہ حاکم اسلام اسے قتل کر دے یہ سزا اسلامی حکومتوں کا فرض ہے، ایسے بدخواہان ملک وملت کو شرعی سزائیں لگائے اور پاکستان کے پاک وجود کو ایسے گندے اور ناپسند عناصر سے پاک فرمائے۔(81)

---

(81) (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ79، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، او کاڑہ)

الفصل الثانی

(اختلاف ورد کا منہج واسلوب)

فتوی میں جہاں جواب اور ذکرِ دلائل کی اہمیت ہے، وہیں مخالف دلائل کا رد کرنا بھی بہت اہمیت کا حامل ہے کہ اپنے جواب پر دلائل کو ذکر کرنے سے اگرچہ جواب مکمل ہو جاتا ہے، مگر سائل کو اگر کسی اور جگہ سے دوسرا فتوی ملا ہو اور وہ صحیح فتوے کے برعکس ہو اور خصوصا اس میں بھی کچھ دلائل ذکر کیے گئے ہوں، تو وہاں سائل کا ذہنی کشمکش میں مبتلا ہو جانا فطری بات ہے، لہذا کسی کی رائے سے اختلاف کرنا اور اس کے دلائل کا رد کرنا بھی ایک خاص فن ہے، جو کسی کسی کو ہی نصیب ہوتا ہے۔ اختلاف و رد کے مختلف طریقے رائج ہیں۔ کچھ علماء اور کچھ عام سائلین کے اعتبار سے مفید ہیں اور اس کے مختلف اسلوب ہیں، جن کو فتوی میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

جیسا کہ پچھلی فصل میں بیان کیا گیا کہ فتوی صرف ایک سائل کو نہیں دیا جاتا، بلکہ عوام و خواص سبھی اس سے مستفید ہوتے ہیں۔ لہذا فتوی ایسا ہو جو عمدگی کے ہر معیار پر پورا اترتا ہو، جس کے بہت سے تقاضے ہیں، پچھلی فصل میں فتاوی نوریہ کی پہلی جلد کے فتاوی کے جواب اور ذکر دلائل کا اسلوب جاننے کی سعی کی گئی تھی کہ مفتی صاحب فتوی لکھتے ہوئے کن کن چیزوں کا لحاظ کر کے جواب دیتے اور اس کی عبارت بناتے ہیں اور کس انداز میں دلائل کو ذکر کرتے اور استدلال کرتے ہیں اور اس فصل میں فتاوی نوریہ کی پہلی جلد کے فتاوی میں موجود اختلاف اور رد کے انداز اور اسلوب کو بیان کیا جائے گا کہ مفتی صاحب کس انداز میں کسی سے اختلاف کرتے اور اس کے دلائل کا رد کرتے ہیں اور اس موقع پر کن کن چیزوں کو ملحوظ رکھتے ہیں۔

فتاوی نوریہ جلد اول کے اختلاف و رد کا منہج و اسلوب درج ذیل ہیں۔

(34) فریق مخالف کے دلائل کا دعوی کے مطابق نہ ہونا ثابت کرنا:

اپنے فتوی میں سوال کا جواب اور اس کے دلائل کو ذکر کرنا قدرے آسان ہوتا ہے کہ اس میں دلائل کی روشنی میں کوئی رائے قائم کی ہوتی ہے، لیکن مشکل مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ فریق مخالف کے دلائل کو کمزور یا غلط ثابت کیا جائے اور یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، کیونکہ اس کے لیے وسعت مطالعہ اور باریک بینی بہت ضروری ہے۔ مفتی صاحب سے اگر کوئی سوال کیا جائے اور اس سوال میں کسی کا ایسا فتوی بھی موجود ہو، جو ان کے نزدیک درست

نہ ہو، تو وہاں مفتی صاحب کا اسلوب یہ ہے کہ اپنا جواب بالدلائل ذکر کرنے کے بعد مخالف فتوی کے دلائل کو ایک ایک کرکے رد کرتے ہیں اور بعض اوقات ایک ہی دلیل کا کئی اعتبار سے بھی رد فرماتے ہیں تاکہ بعد میں سائل کے ذہن میں اس سے متعلق کوئی کمی نہ رہ جائے۔

مثال:

سوال ایک گاؤں کی خام مسجد شہید کرکے بعض حصے کو مسجد سے خارج کرنے کے بارے میں تھا اور اس کے ساتھ سائل نے یہ بھی بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب نے جواز کا فتوی دیا ہے اور ساتھ میں اس فتوے کی نقل کو پیش کیا، تو آپ نے اپنا جواب بالدلائل ذکر کرنے کے بعد اس کے غلط فتوی کے اندر مذکورہ دلائل کا اس انداز سے رد فرمایا کہ: "مولوی صاحب نے کہا کہ کل وقف شدہ کا بعض جدا کرلینا جائز ہے، اس دعوی پر دلیل نمبر 1 یہ ہے کہ حطیم بیت اللہ سے ہے، مگر بیت اللہ سے جدا ہے، وجہ تسمیہ حطیم کی بیان کی۔ آپ علیہ الرحمۃ نے فرمایا:"میں کہتا ہوں کہ یہ دلیل اصلا دعوی کے مطابق نہیں ہے، دعوی تو یہ تھا کہ وقف کا بعض جدا کرلینا جائز ہے، اس جدا کرلینے سے مراد اگر یہ ہے کہ صرف درمیان میں ایک حد قائم کردی جائے اور دونوں جیسے پہلے تھے، ویسے ہی وقف رہیں ، مثلا ایک مسجد کی دو مسجد بن جائیں، تو مولوی صاحب کے مدعا کے موافق نہیں کہ مدعا اس حصے کا مسجد ہونے سے نکال کر صحن میں داخل کر دینا ہے، تو لا محالہ اس جدا کرلینے سے مراد یہی ٹھہرے گا، مسجد ہونے سے جدا کرلینا جائز ہے۔ تو اب وہ دلیل مدعا سے بالکل بیگانہ ہے کہ حطیم مسجد سے خارج نہیں ہوا کہ مسجد الحرام کعبہ شریف کے ارد گرد گھیرے ہوئے ہے اور حطیم مسجد الحرام میں ہی ہے۔"[82]

(35) فریق مخالف کی دلیل کو اپنی دلیل ثابت کرنا:

جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا کہ سوال کا جواب اور اس کے دلائل کو ذکر کرنا قدرے آسان ہوتا ہے اور اس سے اگلا مرحلہ فریق مخالف کے دلائل کو کمزور یا غلط ثابت کرنا ہے، لیکن مخالف فریق کے دلائل کو اپنی دلیل ثابت کرنا

---

[82] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ169، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

ایک بلند ہمتی والا کام ہے کہ اس کے دلائل کی تنقیح اس انداز سے کی جائے اور اس کا رد اس طرح ہو کہ جو دلائل اس نے دیے ہیں، اسے اپنی دلیل کے طور پر ثابت کیا جائے۔ چنانچہ فتاوی نوریہ میں کئی مقامات پر ایسا ہوا ہے کہ سائل نے کسی فتوی کے بارے میں سوال کیا ہو، تو وہاں مفتی صاحب اس فتوی کا رد کرتے ہوئے اس میں ذکر کردہ دلائل میں سے بعض دلائل کا رد کرتے ہیں اور بعض دلائل کا رد کرنے کی بجائے اسے اپنے موقف پر دلیل کے طور پر ثابت کرتے ہیں۔

مثالیں:

(1) مسجد کے بعض حصے کو نئی تعمیر کے دوران عین مسجد سے خارج کر دینے کے بارے میں سوال ہوا کہ ایک گاؤں کی خام مسجد شہید کر کے پختہ تیار کی گئی اور پہلی مسجد کے صحن کا حصہ، جو مسجد میں داخل تھا اور اس میں نماز باجماعت پڑھی جاتی تھی اس کے بعض حصے کو مسجد سے خارج کر دیا گیا ایسا کرنا کیسا؟ اور اس کے ساتھ سائل نے یہ بھی بیان کیا کہ ایک مولوی صاحب نے جواز کا فتوی دیا ہے کہ مسجد کے بعض حصے کو خارج کر دینا جائز ہے اور اس پر یہ دلیل بیان کی تھی کہ کعبہ شریف کے بعض حصے کو بھی کعبہ ہونے سے خارج کر دیا گیا ہے، تو مسجد کے بعض حصے کو بھی خارج کر دینا جائز ہے اس کی دلیل کو بیان کرنے کے بعد مفتی صاحب علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ: "اگر مولوی صاحب غور کرتے تو یہ دلیل ہرگز نہ لکھتے کہ یہ ان کی دلیل تو بن نہیں سکتی، جیسے واضح ہو چکا۔ ہاں ہمارے مدعا کی دلیل ہے کہ کفار نے ایسا کیا اور سرکار صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے پسند نہ فرمایا۔ تو مولوی صاحب نے ہمارے مدعا کی دلیل ذکر کی، نہ کہ اپنے مدعا کی۔ اس کا نام ہے ہیبتِ حق اور جلوہ نور اللہ سبحانہ وتعالی۔"[83]

(2) اسی طرح مزید آگے ارشاد فرماتے ہیں: "یہ ہے تائید غیبی اور نصرت لاریبی کہ مولوی صاحب نے محض بے اصل حوالہ دے کر اپنا مطلب بنانا چاہا، مگر وہی عبارت ہمارے مدعا کی دلیل صریح بن گئی۔"[84]

---

[83] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ173، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[84] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ179، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

(36) فریق مخالف کے دلائل کا محل بیان کرنا:

فریق مخالف کے جواب اور اس کے دلائل کا رد کرنے کے مختلف طریقے ہیں، ایک طریقہ تو یہ ہے کہ فریق مخالف کے دلائل کو کمزور یا غلط ثابت کیا جائے، یا اس کے دلائل کو اس کے موقف سے ہٹا ہوا، یا اس کے دلائل کو اپنی دلیل کے طور پر ہی بیان کر دیا جائے، لیکن رد کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ مخالف فریق کے دلائل کا اس انداز سے رد کیا جائے کہ یہ دلیل تو مکمل غلط نہیں ہے، لیکن ان کا محل کوئی اور ہے، جبکہ سوال میں بیان کردہ صورت اور جواب کوئی اور ہے۔ صاحب فتاوی نوریہ جہاں دیگر طریقوں سے رد فرماتے ہیں، وہیں یہ طریقہ بھی اپناتے ہیں کہ مخالف کے دلائل کا محل بیان فرماتے ہیں۔

مثالیں:

(1) مسجد کے بعض حصے کو نئی تعمیر کے دوران عین مسجد سے خارج کر دینے کے بارے میں سوال ہوا کہ ایک مولوی صاحب نے جواز کا فتوی دیا ہے کہ مسجد کے بعض حصے کو خارج کر دینا جائز ہے اور اس پر یہ دلیل بیان کی تھی کہ فقہاء نے لکھا ہے کہ جو جگہ پہلے مسجد تھی، اس کو ضرورت کے وقت گزر گاہ بنانا، جائز ہے، تو مفتی صاحب علیہ الرحمۃ نے اس کے دلائل کا رد لکھنے کے بعد اس دلیل کا تعاقب کرتے ہوئے اور اس کے دلائل کا محل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: "دیکھا اس جگہ کے لیے باقی تمام احکام مسجد ثابت مان رہے ہیں اور تمام احکام مسجد کے مسجد ہی کے لیے ثابت ہوتے ہیں، تو ثابت ہوا کہ وہ جگہ مسجد میں داخل ہے اور خارج نہیں ہوئی **اور یہ جواز المرور بھی ضرورت کے وقت ہی ہے، مطلقاً نہیں۔**[85]

(2) پھر اس کی اسی دلیل کا ایک اور محل بیان کرتے ہوئے مزید ارشاد فرمایا: "دیکھا طریق کے عدم جواز کا صحیح ہونا نقل کر کے **ممر** کا جواز نقل کیا، تو معلوم ہوا کہ **اس عبارت میں طریق سے مراد عام سڑک ہے اور ممر سے**

---

[85] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ174، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

مراد صرف گزرنے کی جگہ ہے، ورنہ خواہ مخواہ تعارض لازم آئے گا۔[86]

(3) ایک اور مقام پر فریق مخالف کے بیان کردہ دلائل کا محل بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتے ہیں: ''**یہ صحتِ شرطِ استبدال تو مسجد کے علاوہ دوسرے اوقاف میں ہے** اور وقف مسجد میں اگر شرطِ استبدال کرے تو مسجد مسجد بن جاتی ہے اور وہ شرطِ استبدال باطل ہے۔''[87]

(37) فریق مخالف کے دلائل کا سقم بیان کرنا:

ویسے تو کسی فریق مخالف کے رد کا یہی طریقہ ہے کہ اس کے دلائل کو کمزور یا غلط ثابت کیا جائے، یا اس کے دلائل کو اس کے موقف سے ہٹا ہوا ثابت کیا جائے، لیکن اگر دلیل اپنی جگہ پر درست ہو، مگر کسی عارضے کی وجہ سے اس میں سقم ہو، تو صاحب فتاوی نوریہ اس سقم کو بھی بیان فرماتے ہیں۔ جیسے اگر کسی نے فقیہ کی کوئی عبارت پیش کی جو اس کے دعویٰ کے مطابق ہے، مگر کسی عارضے کی وجہ سے وہ دلیل مفتی صاحب کے دلائل کے سامنے کمزور ہے کہ ان کی پیش کردہ عبارات مفتٰی بہ اور معتمد ہیں اور دوسرے کی دلیل کوئی شاذ یا مرجوح قول ہے، تو اس دلیل کو قبول نہ کرنے کی وجہ یا اس کا سقم بیان کرتے ہیں۔

مثال:

ایک سوال کا جواب دینے کے بعد مخالف کے دلائل کے سقم کو اس انداز میں بیان فرمایا کہ: ''ان تصریحات جلیلہ کے مقابلہ میں یہ عبارت معتمد نہیں ہوسکتی کہ تمام تصریحات کو چھوڑ کر ایک عبارت شاذہ پر عمل کیا جاوے۔''[88]

(38) قولِ فقیہ کو رد کرنا:

متعدد اسلاف فقہاء اپنے اپنے دلائل اور علم کی روشنی میں کسی چیز کا حکم بیان کرتے آئے ہیں، لیکن کبھی آراء

---

[86] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ175، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[87] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ181، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

[88] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ179، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

مختلف بھی ہوتی ہیں، جس میں سے مقلد کے لیے کسی ایک پختہ قول کو لینا اور اس پر عمل کرنا ہوتا ہے، جس کے مختلف طریقے ہیں کہ ان میں تطبیق دی جائے یا کسی ایک قول کو وجوہِ ترجیح کی بنیاد پر ترجیح دی جائے، لیکن کبھی کسی مسئلہ میں کسی ایک ہی فقیہ کا قول دیگر فقہاء کے قول کے برخلاف ہوتا ہے یا وہ قول صحیح حدیث کے برخلاف ہوتا ہے، جس کی وجہ سے وہ قابلِ اعتماد نہیں ہوتا۔ چنانچہ فتاویٰ نوریہ میں اگر سوال میں کسی فقیہ کا قول پیش کیا گیا اور مفتی صاحب کی رائے اس کے برعکس ہو، تو آپ اس فقیہ کے قول کا رد کرتے ہیں اور اس قول کو رد کرنے کی وجہ بھی بیان فرماتے ہیں۔

مثال:

ایک مقام پر ارشاد فرماتے ہیں: "اور یہیں سے واضح ہوا کہ مضمرات شرح قدوری میں مولانا صوفی یوسف بن عمر کا دوری کا ایسے داخل مسجد کے لیے قعود کا حکم دینا اور قیام مکروہ بتانا بے دلیل ہے اور صحیح نہیں، اس میں حضور پر نور (روحی فداہ) محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم مذکور کی صریح خلاف ورزی ہے، جو ہمارے کسی بھی امام کا قول ہرگز ہرگز نہیں ہو سکتا، لہذا مقبول نہیں۔"[89]

(39) عالم کے فتویٰ کی اصلاح کرنا:

کسی عالم سے غلطی ہو جانا کوئی بری بات نہیں ہے۔ اسی لیے جب علماء کے سامنے اپنی رائے کے مخالف کوئی پختہ دلیل و فتوی نظر آتا ہے، تو کئی بار وہ اپنے قول یا فتوے سے رجوع کر لیتے ہیں۔ یہ ابتدائے اسلام سے چلتا آرہا ہے۔ لیکن یہ مفتی کی ذمہ داری ہے کہ وہ کسی عالم کا ایسا فتوی دیکھے جو شرعی نقطہ نظر سے درست نہ ہو، تو اس کی اصلاح کی حتی الامکان کوشش کرے تاکہ عوام غلط مسئلے سے بچ سکیں، لیکن یہ اصلاح کسی احسن انداز سے ہی ہونی چاہیے۔ چنانچہ اگر مفتی صاحب علیہ الرحمۃ کے پاس کسی عالم دین کا کوئی ایسا فتوی آتا جو ان کی نظر میں درست نہ ہو، تو عالم کی عزت و توقیر کا خیال کرتے ہوئے احسن انداز میں اس فتوی کی اصلاح کرتے ہیں اور اس کے مقابل قرآن و

---

[89] (فتاوی نوریہ، جلد 1، صفحہ 303، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

حدیث کے دلائل سے اپنا جواب پیش فرماتے ہیں۔

مثال:

عیسائی کمپنی سے مسجد کے خرچ کے لیے امداد لینے سے متعلق کسی عالم نے جواز کا فتوی دیا تھا اور وجہ یہ بیان کی تھی کہ مسجد کے لیے چندہ دینے میں شرط یہ ہے کہ دینے والے کی نیت قربت کی ہو اور نصاریٰ وغیرہ بھی مسجد وغیرہ پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں، تو ان کی امداد سے مسجد تعمیر کرانا، جائز و درست ہے، اس میں کوئی مضائقہ نہیں اور بطور دلیل شامی کی عبارت ذکر کی جس میں نصاریٰ کے مسجد قدس (کہ جو ان کے نزدیک بھی متبرک مقام ہے) پر وقف کے جواز کو بیان کیا گیا تھا، تو آپ نے اس فتوی کا رد کرتے ہوئے پہلے ارشاد فرمایا کہ:" عام مساجد کو مسجد قدس پر قیاس کرنا قیاس مع الفارق ہے، علامہ شامی ہی تصریح فرماتے ہیں کہ (مسجد قدس کے علاوہ) دوسری مساجد پر خرچ کرنا صرف ہمارے نزدیک قربت ہے، یعنی ان کے نزدیک قربت نہیں۔۔۔ تو ثابت ہوا کہ نصاریٰ ہر ایک مسجد پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام نہیں سمجھتے، تو ان کی اس امداد سے تعمیرِ مسجد کیوں کر درست ہو گی؟ پھر اس نازک دور میں (جب کہ عیسائیوں کی ریشہ دوانیاں اور تبلیغی سرگرمیاں نقطہ ارتقاء پر پہنچ چکی ہیں) عوام اہل اسلام کو یہ کہنا کہ عیسائی ہماری مسجدوں پر خرچ کرنے کو قربت اور نیک کام سمجھتے ہیں، عوام کے لیے کسی غلط فہمی کا باعث بھی بن سکتا ہے، البتہ یہ کہا جاسکتا ہے کہ اس کمپنی والے نصاریٰ اپنے مسلم ملازمین سے کیے گئے معاہدہ کی بنا پر ان کی ضروریات کے لیے روپیہ ان کے ملک میں کر دیں، تو وہ مسلمان اپنے ارادہ اور اختیار سے اپنا روپیہ جانتے ہوئے تعمیرِ مسجد پر خرچ کریں، تو درست ہے، جیسے کہ فقیر مالِ زکوۃ کے مالک بننے کے بعد تعمیر مسجد میں خرچ کر سکتا ہے۔[90]

---

[90] (فتاوی نوریہ، جلد1، صفحہ188، دار العلوم حنفیہ فریدیہ، اوکاڑہ)

اختتامیہ

فتاوی نوریہ جلد اول کے مطالعے اور اس پر مقالے کا مقصد تو یہی تھا کہ مفتی صاحب کے تحقیقی انداز کو سمجھا جا سکے، تاکہ اس تحقیقی انداز کی روشنی میں فتوی نویسی کی مشق کرنے والے علماء اپنے فتاوی میں نکھار پیدا کر سکیں اور یہ بات اہل فتوی پر روزِ روشن کی طرح عیاں ہے کہ جاندار فتوی وہی ہے جو عمدگی کے ہر معیار پر پورا اترتا ہو، جس کے بہت سے تقاضے ہیں جن کو پورا کرنا لازم ہے۔ اس مقالے میں فتاوی نوریہ کی پہلی جلد کے فتاوی کا اسلوب جاننے کی سعی کی گئی کہ مفتی صاحب فتوی لکھتے ہوئے کن کن چیزوں کو ملحوظ خاطر رکھ کر جواب دیتے اور اس کی عبارت بناتے ہیں اور کس انداز میں دلائل کو ذکر کرتے اور استدلال کرتے ہیں۔

لیکن اس کے علاوہ چند ایسی خصوصیات کہ جن کا پہلے ذکر نہیں ہو سکا یا بہت اجمالاً بیان ہوا ہے وہ یہ ہیں:

فتاوی نوریہ کی ایک نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ مفتی صاحب کا جواب سطحی انداز کا نہیں ہوتا بلکہ جب کسی سوال کا جواب لکھتے ہیں، تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے علوم وفنون کا ماہر بڑی ہی مہارت اور انہماک سے بحر علم میں غوطہ زن ہے اور عمدہ ترین جواہرات نکال کر لوگوں کے سامنے پیش کر رہا ہے اور پھر ایک ماہر جوہری کی طرح ان علمی جواہر کی خصوصیات اور ان کے ایک دوسرے سے امتیازات کو اس انداز سے بیان فرماتے ہیں کہ دیکھنے والے دنگ رہ جاتے ہیں۔

ایک مزید خصوصیت یہ ہے کہ عموما اردو فتاوی جات میں مفتیان کرام فقہ حنفی کے اصول و قواعد کا زیادہ اہتمام نہیں کرتے اور اگر بر سبیل تذکرہ کوئی قاعدہ تحریر کریں تو اس کی توضیح نہیں کی جاتی، مگر اس کے برعکس فتاوی نوریہ میں اسلاف کی پیروی کرتے ہوئے اس امر کا خصوصی اہتمام کیا گیا ہے کہ فتوی لکھتے وقت تحقیق و تدقیق کے ساتھ ساتھ فقہ حنفی کے اصولوں کو نہ صرف پیش نظر رکھا گیا ہے، بلکہ ان اصول و قواعد کو جا بجا نقل بھی کیا گیا ہے اور ان سے استدلال و استخراجِ مسائل بھی کیا گیا ہے تاکہ سائل و قاری ان کے فتاوی سے بھرپور استفادہ کر سکے اور اگر ان اصول و قواعد یا اصطلاحات کے پڑھنے میں سائل کو کچھ مشکل پیش آسکتی ہو، تو اس کی تسہیل و تفہیم بھی فرماتے ہیں۔

جیسا کہ اہل علم جانتے ہیں کہ فقہائے احناف میں سے بعض کا مقام بعض سے زیادہ ہے، اسی لیے ان میں بعض مجتہد فی المذہب، مجتہد فی المسائل، اصحاب تخریج، اصحاب ترجیح اور اصحاب تمییز وغیرہ ہیں اور ان میں بھی بعض کو بعض پر فوقیت حاصل ہے کہ ایک کا قول یا بحث دوسرے فقیہ کی بحث سے بہتر ہو سکتی ہے، چنانچہ ان فقہاء میں سے کسی کا قول لینے یا نہ لینے کے حوالے سے بھی مفتی صاحب کلام کرتے ہوئے مختلف فقہاء کی حیثیت کو بیان کرتے ہیں۔ اسی طرح فقہ حنفی کی بہت سی کتب ہیں، لیکن ہر ایک کتاب سے فتوی دینا درست نہیں ہے، جیسے علامہ شامی علیہ الرحمۃ نے قہستانی کی شرح نقایہ علامہ حصکفی کی در مختار، ابن نجیم مصری کی الاشباہ والنظائر اور اس قسم کی دوسری کتابوں کے بارے میں متعدد وجوہات بیان کی ہیں، اسی طرح بعض فقہ کی کتب کے مصنفین کے عقائد یا دیگر وجوہات کی بنا پر بھی ان کتب پر کلام کیا جا سکتا ہے، فتاوی نوریہ میں مفتی صاحب فقہی کتب اور ان کے مصنفین پر بھی کلام فرماتے ہیں۔

ایک فقیہ اور مفتی کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کے دل میں صاحب شریعت کی محبت پختہ ہو، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق سے اس کا قلب بھرپور ہو، وہ ایمانیات اور اعتقادات میں متصلب ہو، صاحب فتاوی نوریہ کی ذات میں اور ان کے فتاوی کے مطالعہ سے یہ اوصاف درخشاں نظر آتے ہیں، عشق نبی نے آپ کو پختگی ایمان اور اتباع سنت و شریعت کی معراج پر پہنچا دیا تھا، سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں ادنٰی سی گستاخی کرنے والا بھی آپ کے نزدیک واجب القتل تھا، چنانچہ ان کے فتاوی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عشق و محبت کا بھرپور اظہار نظر آتا ہے۔

سائلین کی تربیت کا اہتمام:

دار الافتاء میں آکر اپنا مسئلہ بیان کرنے والے سائلین کی بڑی تعداد وہ ہوتی ہے، جو دینی ماحول سے وابستہ اور دین اور علماء کے بارے میں عقیدت کے جذبات رکھتی ہے اور ایسے افراد ہزاروں میں چند ہی ہوتے ہیں، ان کو دین کی صحیح آگاہی نہ کرنا یا ان کو دین سے دور کرنا ایک بڑے خسارے کا سبب ہو سکتا ہے، چنانچہ اگر کوئی دین کا کچھ کام کرنا چاہے یا اس کی طرف مائل ہو، تو مفتی صاحب اس کی حوصلہ افزائی کرتے ہیں، اسی طرح سائلین کے حوالے سے

اس بات کا اہتمام فرماتے ہیں کہ بعض افراد میں جذبہ دینی تو ہوتا ہے، مگر لا علمی کی وجہ سے وہ کسی ناجائز چیز کو دینی کام سمجھ رہے ہوتے ہیں اور اپنے طور پر وہ یہ سمجھتے ہیں کہ شاید اس کام سے ثواب ملے گا، اس طرح کے سوالات میں سائلین کو تنبیہ بھی فرماتے ہیں۔ بعض اوقات سستی یا لا پرواہی کی وجہ سے سائل ایسا سوال کرتا ہے، جس میں دینی احکامات سے بھاگنا پایا جاتا ہے اور وہ چاہتا ہے کہ کسی طرح کوئی سہولت کا پہلو ہاتھ آجائے، چنانچہ اگر ایسا کوئی سوال مفتی صاحب علیہ الرحمۃ سے پوچھا جائے، تو وہاں پر اللہ کے عذاب سے ڈراتے یا نیک اعمال کی ترغیب دیتے ہوئے سائل کو اللہ کی طرف رجوع کرنے اور آخرت کی فکر دلانے کا بھرپور اہتمام کرتے ہیں۔

چنانچہ اس مقالے کے صلبِ ماخذ کا خلاصہ کلام یہ ہے کہ مفتی صاحب اپنے جواب میں حتی الامکان سب سے پہلے جواب میں قرآنی آیات، احادیث اور فقہ حنفی کے جزئیات کا التزام کرتے اور ان کی ترتیب بندی کا بھی خاص خیال رکھتے ہیں، جواب دینے کے متعدد طریقے اپناتے ہیں، جن میں مختصر، طویل اور رسائل کی شکل میں بھی جوابات ہوتے ہیں۔ جواب کی عبارت کو بناتے ہوئے قیودات کا لحاظ رکھتے ہیں اور بعض اوقات ان قیودات کی وضاحت بھی کرتے ہیں کہ یہ قید اس جگہ کیوں لگائی گئی ہے، اس سے فتوی کی جامعیت ومانعیت ظاہر ہو جاتی ہے اور سائل جواب کی قیودات بھی سمجھ لیتا ہے اور اسے اپنی ہی صورت پر منطبق کرتا ہے۔

جواب دینے میں جہاں متعدد دلائل ذکر کرتے ہیں، وہیں عقلی توجیہات کے ذریعے بھی اپنے جواب بیان کرتے ہیں اور نقلی وعقلی دلائل کے ساتھ ساتھ مسئلہ کی نظائر کے ذریعے سے بھی جواب دیتے ہیں اور کبھی دلائل میں ان تمام چیزوں کے ساتھ ساتھ الزامی جواب بھی دیتے ہیں۔

اپنے فتوی میں ذکر کردہ اقوالِ فقہاء میں تطبیق، رفعِ تعارض، ترجیح، وجوہِ ترجیح کے ساتھ ساتھ مفتٰی بہ قول کی نشاندہی بھی کرتے ہیں، فتوی میں فنِ افتاء کے حوالے سے کلام، رسم المفتی کے قواعد وضوابط کا استعمال کرنا، علامات افتاء کا بیان کرنا، الفاظِ فتوی کے مراتب، قواعد فقہیہ کا بیان وتوضیح وغیرہ بھی آپ کے فتاوی کا حسن بڑھاتی ہیں۔ کسی مقام پر مختلف فقہاء کی حیثیت، فقہی کتب کی حیثیت، مصنفین کتب فقہ پر بطور جرح کلام، کتب فقہ پر تعارفی کلام،

نصوص فقہیہ کی حیثیت پر کلام کرنا بھی آپ کے فتوی میں ایک امتیازی شان پیدا کرتا ہے۔

مفتی صاحب کے فتاوی میں فن حدیث کی خوشبو بھی میسر آتی ہے کہ کبھی احادیث کو بطور دلیل ذکر کرتے، ان احادیث کی تصحیح کو نقل کرتے، سندِ حدیث پر کلام کرتے، کتب حدیث کی حیثیت پر کلام، رواۃ کے نام پر کلام وغیرہ بھی آپ کے فتاوی کا حصہ ہوتا ہے۔

اور ایک بہت ہی عمدہ کام یہ کہ اگر کسی کام کے ناجائز ہونے کا فتوی دیا ہو اور اس کا کوئی جائز حل بھی موجود ہو، تو وہاں پر اس کا جائز حل بھی بیان کرتے ہیں، تاکہ سائل اس صورت پر عمل کر کے گناہ سے بچ سکے۔

اور فتوی کی دوسری جہت کہ جس میں کسی سے اختلاف یا کسی کا رد کیا جائے تو وہاں اختلاف ورد کا منہج واسلوب یہ ہے کہ رد کرتے ہوئے پہلے اپنا موقف مع دلائل لکھتے اور پھر فریق مخالف کے دلائل کا رد کرتے ہیں، جس کے مختلف طریقے اپناتے ہیں جن میں فریق مخالف کے دلائل کا دعوی کے مطابق نہ ہونے کا اثبات، کسی مقام پر فریق مخالف کی دلیل کو اپنی دلیل ثابت کرنا، فریق مخالف کوئی جزئیہ بطور دلیل دے اور وہ خلاف محل ہو، تو اس کے دلائل کا محل بیان کرنا، فریق مخالف کے دلائل کا سقم بیان کرنا یا اس پر الزامی سوال قائم کرنا بھی آپ کی فتاوی کا حصہ ہے۔

کسی سے اختلاف کرنے میں یہ طریقہ اختیار کرتے ہیں کہ کبھی کسی فقیہ کے کسی قول کو رد کر دیتے ہیں۔ اگر کسی سنی عالم دین کا کوئی فتوی سائل بیان کرے، جس کی کوئی صحیح توجیہ ہو سکتی ہو، تو وہاں پر علمائے اہلسنت کے فتاوی کی توجیہ بیان کرتے ہیں اور اگر فتویٰ درست نہ ہو، تو عالم کے فتوے کی اصلاح کرتے ہیں۔

اللہ کریم مفتی صاحب کی قبر پر کروڑہا کروڑ رحمتیں نازل فرمائے اور ہمیں آپ کے علم کا فیضان عطا فرمائے۔

آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ اَمَّا بَعْدُ فَاَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حدیث پاک

”قیامت کے دن عالِم اور عبادت گزار کو اٹھایا جائے گا تو عابد سے کہا جائے گا کہ جنت میں داخل ہو جاؤ، جبکہ عالِم سے کہا جائے گا کہ جب تک لوگوں کی شفاعت نہ کر لو ٹھہرے رہو۔“

(شعب الایمان، باب فی طلب علم، جلد۲، صفحہ۲۶۸، الحدیث ۱۷۱۷)

فیضانِ مدینہ، محلّہ سوداگران، پرانی سبزی منڈی کراچی
UAN +92 21 111 25 26 92 0313-1139278
www.maktabatulmadinah.com / www.dawateislami.net
feedback@maktabatulmadinah.com / ilmia@dawateislami.net